تصوّراتِ پاکستان

از
قائدِ اعظم محمد علی جناح

مرتبہ و مترجمہ
شاہین فاروقی

زیرِ نظر کتاب میں قائدِ اعظم محمد علی جناح کے ۴۶ تا ۱۹۳۷ء تک کے اہم خطبات، بیانات، تحریرات شامل ہیں۔ جس میں مسئلہ پاکستان کی تشریح اور اعتراضات کے جوابات کے علاوہ ویول پلان، شملہ کانفرنس، راجہ جی فارمولا، کرپس تجاویز نیز پارلیمانی وفد اور وزارتی وفد کی سرگرمیوں کو ایک خاص زاویہ نظر کے ساتھ اس طرح جمع کر دیا گیا ہے جو خصوصی قومی کردار، سیاسی صورتِ حال، لیگ کا موقف، مسلمانوں کا نصب العین اور مخالف عناصر کی ریشہ دوانیوں کو منظرِ عام پر لے آتی ہیں۔

نفیس اکیڈمی
عابد روڈ۔ حیدرآباد دکن

قیمت تین روپے چار آنے سکہ ع
قیمت دو روپیہ بارہ آنہ کلدار

طبع اول ——— ایک ہزار ——— جون ۱۹۴۶ء

مطبوعہ
اعظم اسٹیم پریس گورنمنٹ ایجوکیشنل پرنٹرز حیدرآباد دکن
انتظامی مشین پریس حیدرآباد دکن

فہرس

از شاہین فاروقی

فرنگی ملوکیت نے آثارِ جنوں پیدا کر لئے اور سرزمین ہند پر فرنگی میخانے کھل گئے تو بیچارہ سادہ لوح مسلمان نہایت آسانی سے مغربی آبلہ کاری اور غمزۂ خوں ریز کا شکار ہو گیا کلیسائی شراب میں بے ہوشی اور لذتِ کام و دہن کے سوا کیا رکھا تھا؟ جذب و مستی نام کو نہ تھی۔ مسلمان اپنے مرکز سے ہٹ گیا۔ شعلۂ عشق سرد پڑ گیا۔ صاحب نظری اور سوز و گداز رخصت ہو گئے۔ حور و خیام اور بادہ و جام چھپ چھپ کر سینوں میں گھر کرنے لگے۔ جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری سے اس کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ اور وہ دوسروں کے دست و بازو پر بھروسہ کرنے لگا۔

کتنی حیرت کی بات ہے کہ شمشیر و سنان اور خاک و خوں سے کھیلنے والا ہندوستاں کی مدھ بھری فضا میں شراب و کباب، طاؤس و رباب اور حسن و شباب کی محفلیں رچانے لگا تن آسانی اور آسودگی کا رسیا بن گیا۔ ردائے دین و ایمان پارہ پارہ اور قبائے ملک و ملت چاک چاک تھی۔ فرنگی زہر

رگوں میں سرایت کر رہا تھا۔ باپ دادا کے خون و گوشت سے جلائی ہوئی شمع فروزاں کو آندھیوں کی زد میں رکھ کر مسلمان اطمینان کی نیند سو گیا۔ انگریز کب اس فتنہ کو جگانا چاہتے تھے، وہ جانتے تھے کہ اس کو سوتا رکھنا ہی زیادہ بہتر ہے۔ یہی تو ایک سینۂ افرنگ میں کھٹکتا خار تھا! فرنگی مرغ چمن کی صدا کافی نشاط انگیز تھی۔ اونگھنے والے گہری نیند سو گئے، اور انگریز مطمئن تھے کہ اب آسانی سے ان کی جڑیں کاٹ دی جا سکتی ہیں۔ خاک باز کو خاک کے نیچے دبا کر مغرب کی فتنہ کاری مسلمان کے وجود پر ضرب کاری لگانا چاہتی تھی، لیکن وہ شعلہ جو نیستاں کے لئے پیدا کیا گیا تھا۔ کیونکہ خس و خاشاک سے دب جاتا! مردانِ حر محصور تھے تو کیا ہوا، اللہ کی تقدیر تو محصور نہ تھی! ع

کیا چھپے گا غنچے سے کوئی ذوق شکر خند!

لیکن لعبت فرنگ کے انداز بھی انوکھے تھے۔ فتراک میں ابھی کافی پیکان تھے، ایک خطا ہوا تو دوسرا چھوڑا، ہندوؤں کو پرچانے لگے، سرمۂ افرنگ نے ہنود کی نگاہوں کو بے باک، پرکار اور سخن ساز بنا دیا۔ اور بیچارہ مسلمان صرف دیدۂ حیراں رہ گیا تھا۔ اول تو اس کی تہذیب، شعار اور معتقدات عیسائیت سے میل نہیں کھاتے تھے اور پھر عظمت رفتہ کا داغ بھی تازہ تھا۔

ہندو قوم نے مغربیوں سے بہت کچھ لیا۔ مغربی تہذیب کی فتنہ سامانی اپنے ساتھ وطنیت اور قومیت کے نئے صنم لے آئی۔ ہندو تو پہلے ہی بت پرست تھا۔ نئے خداؤں کے سامنے جھک گیا۔ مغربی جنون بڑا چالاک تھا، اس نے سود و سودا اور مکر و فن کا جال ڈالا۔ زرتار نقاب کے اندر وہی مکروہ چہرے تھے۔ فرنگی جانتے تھے کہ مسلمان ہٹ جائے تو ہندوؤں کو ہنکانے کے لئے ایک مضبوط چابک بہت کافی ہے۔ چنانچہ انھوں نے سبز باغ دکھائے اور گوسالۂ سامری بول اٹھا۔

"ہماری تہذیب سب سے بہتر اور ہمارا وطن
سارے جہاں سے اچھا ہے"

فرنگی مدنیت کے شعبدے نے ہندوؤں کو ایک گونہ طمانیت بخشی اور اسی کی بدولت انھیں اپنی قدیم تہذیب کے احیاء اور "ادوار پارینہ" کی تجدید کا تصوّر پیدا ہو گیا؛ اور انھوں نے "انڈین نیشنل" کانگریس کھڑی کر دی۔ سچ تو یہ ہے کہ مغربی فلسفۂ وطنیت آریائی فلسفے سے ملتا جلتا ہے۔ ذات پات اور اعلیٰ وادنیٰ کا امتیاز تو ہندو مت کی اساس ہے۔ چنانچہ ہندوؤں کو ایک سہارا مل گیا۔ جب انھوں نے اپنے اطراف نظر ڈالی تو دنیا بھر میں کہیں ہندو کا وجود نہ پایا ساری آسمانی کتابیں اسی سرزمین پر اتریں، عبادت گاہیں

اسی خطّہ پر ہیں، گنگا جل، ہردوار کی پوترتا، گوکل کی کنیائیں اور بندرابن کی سندرتا کہیں اور تھوڑی مل سکتی ہے؟ یہ ماحول اور فضا، فرنگی افسوں کے لئے سازگار تھی۔ مغرب کا جادو چل گیا۔ ہندوؤں کی روح پر وجد طاری ہو گیا۔ اور وہ فرنگی دھن پر دیوانہ وار رقص کرنے لگے۔

لیکن مسلمان ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ اسلام تو ساری دنیا کو گلے لگانے آیا ہے۔ یہ پورب پچھم تو چکوروں کی دُنیا ہے مسلمان تو بتان شعوب و قبائل کو توڑ کر توحید کو بے حجاب کرنے آیا ہے۔ وہ اس بحر بیکران میں مچھلی کی طرح آزاد وطن رہنا چاہتا ہے۔ مرد مومن کی میراث تو سارا جہان ہے ؎

جہاں میں لذتِ پرواز حق نہیں اس کا
وجود جس کا نہیں جذب خاک سے آزاد

اسلامی تہذیب، تمدن، سیاست، ثقافت، معیشت، اخلاق و آئین قرآنی ہیں، اس کے نظریات اور معتقدات ہندوؤں سے قطعی جدا اور مختلف ہیں۔ اسلام ایک مکمل نظام ہے اس نے سیاست اور مذہب کو الگ نہیں کیا۔ ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:—

"انسان اور کائنات کا تعلق درست نہیں ہو سکتا۔ جب تک انسان اور خدا کا تعلق درست نہ ہو۔ اسی طرح انسان اور خدا کا

تعلق بھی درست نہیں ہو سکتا جب تک کہ انسان اور کائنات کا تعلق درست نہ ہو۔ بس یہ دونوں تعلق ایک دوسرے کی تکمیل و تصحیح کرتے ہیں اور دونوں مل کر ایک کامیاب زندگی بناتے ہیں۔ مذہب کا اصل کام اسی کامیاب زندگی کے لئے انسان کو ذہنی اور عملی حیثیت سے تیار کرنا ہے۔ جو مذہب یہ کام نہیں کرتا، وہ مذہب ہی نہیں ہے اور جو اس کو انجام دیتا ہے وہی اسلام ہے"۔

اسلام ذات پات اور اونچ نیچ کا قائل ہے اور نہ اس میں تازہ خداؤں کے لئے کوئی گنجائش ہے۔ وہ وحدانیت کا علمبردار ہے۔ اور غیر اسلامی آئین اس کی فطرت سے قطعی میل نہیں کھاتے۔ اسی شراب کہن سے منہ موڑنے کا نتیجہ تھا کہ گیدڑ اس پلنگ صحرا پر چھا جانے کی کوشش کرنے لگے۔ اسلام کا تو یہ دعویٰ ہے کہ:-

"اللہ کے سوا کوئی مالک نہیں، کوئی بادشاہ نہیں، کوئی حاکم نہیں۔ اس کے سوا کوئی نہیں جس کے قانون کو قانون تسلیم کیا جائے۔ اللہ کے سوا کوئی نہیں جس کو انسان اپنے سے بالاتر سمجھے اور جس کے آگے

نیاز مندی اور محکومی اختیار کرے"۔

یہ صحیح ہے کہ صدیوں کے نشے سے ہندی مسلمان
بے ہوش اور بے عمل ہو گیا تھا، لیکن اس کی فطرت تھوڑی
بدل سکتی ہے! عشق کی آگ دب گئی تھی۔ بجھی تو نہ تھی۔ راکھ
کے ڈھیر نے چنگاری کو اپنی آغوش میں چھپا لیا تھا۔ لیکن نگاہ
ظاہر بین نے سطح کے خس و خاشاک دیکھ کر سارے پانی کو
گدلا سمجھ لیا تھا۔ نادانوں کا خیال تھا کہ اب شعلۂ خس
و خاشاک کا غلام بن جائے گا۔ چنانچہ باطل کے بال و پر کی
حفاظت کرنے والوں نے اس راکھ کے ڈھیر کو اڑا دینے
کے لئے پھونک مارنی شروع کی۔ مگر الٹا راکھ ان کی آنکھوں
میں گھس گئی۔ اور چنگاری پھر شعلہ بننے کے لئے بیتاب ہو گئی
یہ تو مسلمان کا امتیاز ہے کہ وہ مصائب و آلام سے گھبرا کر
بیٹھ نہیں جاتا۔ بلکہ اتنی ہی شدت اور تیزی سے آگے
بڑھ کر شدائد و موانعات کے گلے میں باہیں ڈال دیتا ہے
وہ فضاء کی تاریکی سے ہراساں و پریشان ہو کر ہمت نہیں
ہارتا، اس کی فطرت میں بے باکی اور درخشانی ہے، وہ
تو اپنے ماحول کی تاریکی اور اپنی راتوں کے اندھیرے کو
داغ جگر سے نورانی بنا لیتا ہے۔ چنانچہ جب اس نے
دامِ ہر موج میں سینکڑوں نہنگوں کو منہ کھولے دیکھا تو
غیرتِ قومی جوش میں آئی، رگِ حمیت پھڑک اٹھی۔ سوزِ

اس نے دیکھا کہ اس کا ہم وطن اور ہمنوائی کا دم بھرنے والا خنجر آزمائی پر اتر آیا ہے اور گھناؤنے مقاصد کے ساتھ ظلمت کو نور پر مسلّط کرنا چاہتا ہے۔ ہنومان گائے اور سانپ کی حکومت قائم کر کے مسلمان کو اپنے ساتھ تباہی کے غار میں کھینچنے کے لئے تیار ہے تو وہ فوراً کہہ اٹھا۔

ہندو اور مسلمان دو الگ الگ قومیں

ہیں۔ یہ کبھی ایک نہیں ہو سکتیں۔"

اس وقت تک مسلمانوں میں کوئی سیاسی تنظیم نہیں تھی دو ادارے علی گڈھ اور ندوۃ العلماء تھے، لیکن ان کے مقاصد سیاست نہیں بلکہ تعلیم تھے، یہی وجہ ہے کہ سیاسی زندگی میں انھیں کوئی خاص اہمیت نہیں دی جا سکتی ہے واقعی عجیب وقت تھا، سرزمین ہند پر مسلمانوں کا کوئی منظم ادارہ نہیں تھا، ساری مسلم قوم بنی اسرائیل کی طرح آوارہ ومنتشر تھی۔ گھٹا ٹوپ اندھیرا تھا۔ راستہ کٹھن اور منزل نامعلوم، وہ تاریکی میں چاروں طرف ہاتھ پاؤں مار رہے تھے، اضطراب وہیجان اور مایوسی کے عالم میں پروابرو کے ساتھ دوڑنے لگتے تھے۔ پاؤں رکاب میں تھے اور نہ ہاتھ باگ پر! لیکن کبھی کبھی شر سے خیر بھی پیدا ہوتا ہے، اغیار کی سنگینوں نے رخشِ آوارہ کو روک کر سواروں کو جگا دیا۔ مسلسل پامالی اور مستقل تباہی نے چٹکیاں لیں انھیں

جھنجھوڑا اور وہ جھرجھری لے کر اٹھ کھڑے ہو گئے۔ چنانچہ ۱۹۲۸ء میں سب سے پہلے ایک جماعت "ڈیفنس ایسوسی ایشن" کے نام سے علی گڈھ میں قائم ہوئی۔ یہی مسلمانوں کی سب سے پہلی سیاسی جماعت تھی۔ اسی وقت درحقیقت مسلمانوں کے سیاسی شعور نے آنکھ کھولی۔ اس انجمن کی جانب سے مولوی سید محمود مرحوم نے ایک یادداشت مرتب کی تھی جس میں مخلوط انتخاب کی سختی سے مخالفت کی گئی تھی، اور مطالبہ کیا تھا کہ مسلمانوں کے لئے جداگانہ طرز انتخاب رائج کیا جائے۔ لیکن یہ ایسوسی ایشن زیادہ عرصہ قائم نہ رہ سکی کیونکہ اس کے چلانے والے تعلیمی مصروفیات پر توجہ دینا نہیں چاہتے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ فتنہ جاگنے سے پہلے ہی موت کی آغوش میں سو گیا۔

ابھی اس ہنگامے نے دم لیا تھا کہ فرنگی سیاست نے پھر انگڑائی لی۔ لارڈ کرزن نے تقسیم بنگالہ کا ہوا کھڑا کر دیا۔ اس سے مشرقی بنگال میں مسلمانوں کو اکثریت حاصل ہو جاتی تھی۔ لیکن قوم پرست ہندوؤں کو کب یہ گوارا تھا۔ ان کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ جذبات نے عقل کو بے لگام کر دیا۔ اور انھوں نے شور و شر اور دنگا فساد پر کمر باندھ لی۔ حالانکہ بیچارے مسلمانوں کا اس میں کوئی قصور نہ تھا۔ تجویز ان کی پیش کردہ نہیں تھی نہ مسلمانوں کا

مطالبہ نہیں تھا۔ مگر عقل کے اندھوں کو کون سمجھائے؟ انھوں نے ظلم و تشدد کا سہارا لیا۔ یہ ہنگامہ اتنا قیامت خیز تھا کہ بنگال، بہار، اودھ اور یو پی کے اکثر اضلاع میں خاک و خون کی ہولی کھیلی گئی۔ بعض جگہ تو مسلمانوں کو زندہ جلا دیا گیا۔ یہ بھی انگریزوں کی ایک چال تھی۔ "پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو" کا ایک پہلو! —— ناوانوں کو شہ دی اور وہ تھرکنے لگے!

کرزن کا خونی دور ختم ہوا۔ ادھر انگلستان کی حکومت بدل گئی۔ قدامت پسندوں کی جگہ اعتدال پسندوں نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی۔ برطانی سیاست کے مہرے بدل گئے، لارڈ مارلے وزیر ہند اور لارڈ منٹو وائسرائے ہند مقرر ہوئے، حکومت برطانیہ نے ہندوستان کا سیاسی جائزہ لینے کے لئے ایک کمیٹی بنائی۔ اصلاحات کا مسئلہ پارلیمان میں زیر غور تھا، جب ہندوؤں کو یہ خبر ملی کہ پارلیمان جدید اصلاحات کے مسئلے پر غور کر رہی ہے تو کان کے کچے اور من کے میلے دوڑ پڑے اور اصلاحات سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اس نئے فتنے کی وجہ سے تقسیم بنگال کا قضیہ دب گیا اور پھر ایک بار کچھ دنوں کے لئے ہندوستانی سیاست

کی گتھی الجھتے الجھتے رہ گئی۔

تاریخ کا ہر صفحہ شاہد ہے کہ ہندوستان کی دو بڑی قومیں اور اہم عناصر ہندو اور مسلمان ہی ہیں۔ اصلاحات سے مسلمان کیونکہ غیر متاثر رہ سکتے تھے۔ انھیں اپنے حقوق و مفاد کے لئے کچھ کرنا ضروری تھا، لیکن کوئی سیاسی انجمن ہی نہیں تھی۔ حقوق و مفاد اور تیقنات کا سوال کیسے پیدا ہوتا؟ چند لوگ ضرور ایسے تھے جو انگلیوں پر شمار کئے جا سکتے تھے۔ انھیں میں وقار الملک اور سر آغا خاں بھی تھے۔ ان حضرات نے وقت کی آواز پر کان دیا۔ اور چند لوگوں کو ساتھ لے کر غور و خوض کے بعد طے کیا کہ وائسرائے کو ایک یادداشت بھیجی جائے جس میں مسلمانوں کے بنیادی حقوق بتاتے ہوئے ظاہر کر دیا جائے کہ آئندہ اصلاحات میں انھیں کسی صورت نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ یہ یادداشت ۱۹۰۶ء میں ایک سپاس نامہ کی صورت میں پیش کی گئی تھی۔ یہ یادداشت مسلمانوں کی شعوری بیداری کی پہلی مثال ہے۔ جب کہ انھوں نے اپنی خودی کو برقرار رکھنے کے لئے جد و جہد شروع کی۔ اس یادداشت میں جمہوری طرز حکومت کے متعلق لکھا گیا ہے:-

یورپ میں جو طریقۂ نیابت رائج ہے،
وہ ہندوستان کے لئے بالکل جدید ہے۔ اور

حقیقت یہ ہے کہ ہماری قوم کے مدبرین کا خیال ہے کہ اس طریقۂ کار کو ملک کی موجودہ تمدنی، سیاسی اور ثقافتی حالات پر کامیابی کے ساتھ منطبق کرنے کے لیے کافی حزم و احتیاط درکار ہے۔ اگر اس میں احتیاط نہ برتی جائے تو سب سے بڑی خرابی یہ ہوگی کہ ہمارا سیاہ و سپید ایک ایسی جماعت کے حوالے ہو جائے گا جسے ہمارے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں ہے۔"

آگے چل کر اسی یادداشت میں مخلوط انتخاب کے بارے میں واضح کر دیا گیا ہے:-

"موجودہ قاعدوں کی رو سے یہ امر بعید از قیاس ہے کہ ان جماعتوں کی طرف سے جن کو انتخاب کا اختیار دیا گیا ہے کسی مسلمان کا نام انتخاب کے لئے پیش کیا جائے تاوقتیکہ وہ اہم معاملات میں اکثریت والی قوم کی ہمنوائی کے لئے تیار نہ ہو۔ اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو ہمارے ہندو ہم وطنوں کی یہ خواہش قابل اعتراض نہیں ہے کہ وہ اپنی قوم کے افراد کو ووٹ دیں۔

یا غیر اقوام کے کسی ایسے شخص کو منتخب
کریں جس کے متعلق انھیں پوری طرح یقین
ہو کہ وہ اکثریت کی حسب خواہش رائے
دیا کرے گا۔ اور اس شخص کے لئے حقیقتاً
اس کے سوا چارۂ کار بھی نہیں ہو سکتا،
کیونکہ اس کا دوبارہ انتخاب ہندوؤں
کی خوشنودی پر منحصر ہوگا۔"

مزید اس یادداشت میں مسلمانوں کی جداگانہ قومیت
پر اس طرح زور دیا گیا ہے :۔

"قومی حیثیت سے مسلمانوں کی ایک
جداگانہ جماعت ہے۔ جو ہندوؤں سے بالکل
الگ ہے، ہمارے اغراض و مقاصد ایسے
ہیں، جن کا تعلق بلا شرکت غیرے ہماری ذات
سے ہے، اور جن میں کسی دوسری قوم کا
بالکل دخل نہیں ہے۔"

کیا اب بھی روحانی دیوتا اور توہمات کے پرستار
گاندھی جی کا یہ دعویٰ صحیح سمجھا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں نے
اپنی علیحدہ قومیت اور وطنیت کا تصوّر صرف ۱۹۴۰ء کی قرارداد
"لاہور" ہی میں پیش کیا ہے؟ ہرگز نہیں!

اس یادداشت کے بعد مسلمانوں کی سیاسی زندگی نے

کروٹ بدلی، وہ تعمیر خودی کی طرف راغب ہوئے۔ زمانے کی بدلتی ہوئی اقدار سے ہم آہنگی کا تصوّر پیدا ہوا۔ اور انھوں نے ضرورت محسوس کی کہ اگر وائسرائے اس یادداشت کے سلسلہ میں مزید مراسلت جاری رکھے تو خط و کتابت اور نیابت کی ذمہ داری کون قبول کرے، ہر شخص انفرادی طور پر تو ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے ۳۰۔ڈسمبر ۱۹۰۶ء کو سارے ہندوستان کے مسلم نمائندے ڈھاکہ میں جمع ہوئے اور نواب وقار الملک اور مولوی مشتاق حسین مرحوم کی صدارت میں "مسلم لیگ" کی داغ بیل ڈالی گئی۔

اب مسلمانوں کا ایک مرکز پیدا ہو گیا تھا، ان کی نمائندگی کے لئے ایک جماعت بن گئی تھی۔ لیکن ابھی یہ فتنہ نوجگا تھا، ذرا سی آب جو تھی اسے بہت کچھ بڑھنا، پھلنا پھولنا اور ترقی کرنا تھا۔ ابھی وہ طفولیت کے مدارج طے کر رہی تھی کہ منٹو مارلے اصطلاحات نے جنم لیا اور مسلمانوں کے مطالبات میں سے جداگانہ طرزِ انتخاب کو قبول کر لیا گیا۔ مسلمانوں کی مصالحت کی سعی جاری تھی، اس لئے انھوں نے اعتدال پسند ہندوؤں کا ساتھ دیا۔ ۱۹۱۳ء تک مسلم لیگ کے کئی اجلاس کراچی، امرتسر، دہلی، ناگپور اور ڈھاکہ میں منعقد ہوئے۔ حکومت پر خوب لعن طعن کی گئی۔ بلقان و طرابلس کی جنگوں نے مسلمانوں میں برہمی پیدا کر دی تھی۔ وہ انگریزوں سے بددل ہو گئے تھے۔ اور

اب وہ ہندوستانی سیاست میں پیش پیش نظر آنے لگے ۱۹۱۳ء کے چھٹے اجلاس میں مسلم لیگ نے اپنا نصب العین واضح کر دیا۔

"برادرانِ وطن سے اتحاد اور ہندوستان کے مناسب حال حکومت خود اختیاری کا حصول۔"

۱۹۱۴ء میں جنگ شروع ہو گئی اور اس نے ساری دنیا کو خاک و خون کے ابلتے ہوئے برتن میں جھونک دیا۔ آتش و آہن کی تباہ کاریوں اور مغربی سیاست کی سیہ کاریوں نے ساری دنیا کو اضطراب و ہیجان کی سرحدوں پہ کھڑا کر دیا اس وقت مسٹر گاندھی افریقہ سے آئے اور انھوں نے اعلان کر دیا کہ :-

"ہندوستان کے ہر تندرست باشندے کو سلطنت برطانیہ کی امداد کرنی چاہیئے۔ صرف اسی صورت میں ہندوستان کا وقار اور برتری قائم رہ سکتی ہے۔"

اس طرح کانگریس نے ابتداء ہی میں اپنی گھناؤنی ذہنیت کو بے نقاب کر دیا۔ وہ برطانی سنگینوں کے سہارے اپنا موقف مضبوط کرنا چاہتی تھی لیکن مسلمانوں کے لئے یہ بہت کٹھن وقت تھا۔ کیونکہ ترکی کے متعلق باور کیا جا رہا تھا کہ وہ برطانیہ کے خلاف اعلان جنگ کرنے والا ہے۔ ایسی صورت میں چند ملت فروشوں کے علاوہ کون برطانیہ کی امداد

خواہاں ہو سکتا تھا۔ مسلم آزاد زعماء ایک ایک کر کے جیل، جلا وطنی اور نظر بندی کا شکار ہو گئے۔ جو دو چار رہ گئے تھے وہ دم سادھے پڑے تھے۔ انھیں میں محمد علی جناح بھی تھے۔

مسٹر جناح ابتداء ہی سے ہندو مسلم مصالحت اور اتحاد واتفاق کے پُرجوش موئد تھے، آپ نے لیگ و کانگریس کی حقیقی اور دوامی مصالحت کے لئے امکانی کوشش کی ــــ ہندوستانی سیاست کے دو زبردست مہروں کو گلے ملانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ انھیں کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ لکھنؤ اور کلکتہ میں لیگ اور کانگریس کے مشترک اجلاس ہوئے۔ اس خصوص میں ان کی سب سے اہم مساعی سنہ ۱۹۱۶ء کا میثاق لکھنؤ ہے جس پر آئندہ سنہ ۱۹۱۹ء کی اصلاحات کی بنیاد رکھی گئی۔ اس میثاق کی روح رواں یہی تھی کہ دو واضح اور متضاد سیاسی گروہ ایک دوامی اتحاد او تفاہمت پر اتر آئے تھے لیکن اکثریت والی جماعت اپنے ذہن کے نچلے خانوں میں ایک متضاد تصور لے کر آئی تھی۔ اس کے تحت شعور میں یہی جذبہ کارفرما تھا کہ مسلمان ایک اقلیت ہیں اور انھیں بحیثیت اقلیت سارے شدائد جھیلنے ہوں گے۔ جناح نے لگاتار کوشش کی لیکن ہندو وفد نے انھیں مایوس کر دیا۔ حالانکہ مسلمانانِ ہند آزادی کی جدوجہد میں کسی سے پیچھے نہیں رہے۔ کامل حکومت خوداختیاری کے حصول میں کانگریس سے ان کا کوئی اختلاف نہ تھا۔ اور مسٹر جناح نے ان دونوں کو دوش بدوش چلانے کی انتہی

کوشش کی کہ ایک روزنامے نے تو یہاں تک لکھدیا کہ "مسٹر جناح ہندو مسلم اتحاد کے سوال سے کبھی بیزار نہیں ہوتے۔"

لیکن کانگریس تو منافقوں کی ایسی جماعت ہے جو دوستی کے لئے آگے بڑھائے ہوئے ہاتھ کو کچل دیتی ہے۔

جنگ کی تباہ کاریاں ختم ہو گئی تھیں، موت کا رقص ختم ہو گیا تھا۔ لیکن اسلامی ممالک کے ساتھ برطانیہ کی وعدہ خلافیوں نے مسلمانوں کو بدگمان کر دیا تھا۔ خلافت تحریک نے زور پکڑا، جلیانوالہ باغ کا حزنیہ آگ کی طرح سارے ملک میں پھیل گیا۔ موقع شناس ہندوؤں نے حامی بھری اور بجھتی ہوئی چنگاری کی طرح پھر ایک بار ہندو مسلم اتحاد پیدا ہو گیا۔ لیکن کانگریس زعم باطل کا شکار تھی۔ اس کے بنیادی عزائم میں پراچین تہذیب اور ہندوان کی حکمرانی اور "ادوار پارینہ" کی تجدید کے سہانے سپنے تھے، اس نے "شدھی سنگھٹن" کی تحریک چلائی۔ اس تحریک نے مسلمانوں کو برگشتہ کر دیا۔ کیونکہ اس تحریک کا مقصد مسلمانوں پر زبردستی ہندو تہذیب اور غیر اسلامی شعار و آئین کو مسلط کرنا تھا۔ اس خصوص میں بڑے خون ریز فسادات ہوئے اور مسلمان ہنگامے میں الجھ گئے۔ ہندو دل و دماغ، ہندو جذبات اور ہندو روش نے ایسی صورت اختیار کی کہ بالآخر اتحاد کی توقع ہی اٹھ گئی۔

اس وقت تک ہندوستان کے جواں سال مدبر محمد علی جناح کانگریس کے سرگرم کارکن تھے۔ لیکن اب ہندوؤں کی

آبلہ فریبی اور روباہی نے انھیں اپنی قوم میں ضم ہو جانے پر مجبور کیا، وہ جان گئے کہ ع

موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں!

۱۹۲۸ء میں نہرو رپورٹ کا شاخسانہ نکل آیا۔ یہ ہندوستان کا مجوزہ دستور اساسی تھا۔ جو لکھنؤ کی ایک "آل انڈیا پارٹیز" کانفرنس کی رضامندی سے طے ہوا تھا، چونکہ نہرو اس دستور ساز جماعت کے صدر تھے، اس لئے اسے نہرو رپورٹ کہتے ہیں۔ اس میں خالص ہندو راج کا نقشہ کھینچا گیا تھا۔ اس لئے مسلمانوں نے فطری طور پر اس کی مخالفت کی اور ایک مسلم کانفرنس بنائی گئی اور یہاں تک مخالفت کی گئی کہ مجبوراً اس رپورٹ کو لاہور کے اجلاس میں تہس نہس کر دیا گیا۔ کیونکہ اب حکومت برطانیہ مسلمانوں کو نظر انداز کر کے صرف ہندوؤں کے حسب منشاء اسے منظور کرنے کی جرأت نہیں کر سکتی تھی۔

جب گاندھی نے دیکھا کہ حکومت برطانیہ مسلمانوں کو غیر معمولی اہمیت دے رہی ہے تو وہ چونک پڑے۔ اس مداری نے اپنے تھیلے سے ایک نیا شعبدہ نکالا۔ قانون نمک سازی کی خلاف ورزی کی اور مسلمان غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے۔ وہ اسے جنگِ آزادی سمجھنے لگے۔ مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی کی انتہائی کوششوں کے باوجود ہزاروں مسلمان غلط فہمی کے برساتی نالے میں ڈوب گئے۔ سیول نافرمانی اور

آزادی کی ہڑبونگ سادہ لوح مسلمانوں کو زیر دام لانے کے لئے ایک طلسم رنگ و بو کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ اس کی حقیقت صرف اسی قدر تھی کہ کانگریس ہندو مت اور ہندو راج کا استحکام چاہتی تھی۔ اس وقت بھی مسلمانوں نے مفاہمت کی کوشش کی اور مسلم لیگ، جناح کے چودہ نکات کے مصالحت کی کوشش کر رہی تھی۔ مسلمانوں نے اجودھیا کے ذبیحۂ گاؤ کو چھوڑ دیا۔ اور سمجھوتے کی ہر امکانی تدبیر پر غور کیا۔ لیکن کانگریس ہر بار بنا شاخسانہ پیدا کر کے منہ پھیر لیتی تھی۔ اس منافقانہ روش سے مولانا محمدؐ علی جیسے کٹر کانگریسی بھی بدگمان ہو گئے۔ انھوں اور انھوں نے صاف صاف کہہ دیا۔ "اب ہمیں قرآنی تعلیمات کی پیروی کرنی چاہیئے۔ جب کوئی فریق مواثیق سے انحراف کرتا ہے تو ہمیں بھی چاہیئے کہ اس کا معاہدہ اُس کے منہ پر پھینک ماریں"

دیکھ لیا آپ نے؟ یہ ہیں مولانا محمدؐ علی، جنھوں نے کانگریس کی بنیادوں کو مضبوط کرنے اور اسے پروان چڑھانے میں بہت بڑا حصہ لیا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ مسٹر جناح ہی ایسے ہندوستانی نہ تھے ہیں، جنھوں نے ہندو مسلم مصالحت کے لئے بے شمار مصائب و آلام سہے، لیکن کانگریس کی آستین میں دشنہ و خنجر چھپا ہوا ہی تھا۔ جب گاندھی کانگریس کی افق پر نمودار ہوئے تو انھوں نے ریت میں ہل چلانا شروع کر دیا۔ وہ تو خرقۂ

سالوں کے اندر مہاجنی کے قائل ہیں۔ آخر کار جناح کے احساسات پر قنوطیت چھا گئی۔ جذبات پر مایوسیاں منڈلانے لگیں۔ وہ اپنے ملک سے نا امید ہو گئے اور انھوں نے اعتراف کر لیا کہ :-

"اس ملک میں فرقہ واریت کا وجود ناگزیر ہے
صرف جذبات سے علاج ممکن نہیں"

واقعی صورت حال بہت بدبختانہ تھی۔ مسلمان بے یار و مددگار تھے۔ دولت برطانیہ کے کاسہ لیسی اور رکابی مذہب ان کے قائد بنے ہوئے تھے۔ اور جب کبھی مسلمانوں کے اتحاد کی کوشش کی جاتی۔ تو کانگریسی غدار تمام تمام کوششوں پر پانی پھیر دیتے تھے۔ جناح پست ہمت ہو گئے اور ہندوستان چھوڑ کر لندن چلے گئے۔

اسی افراتفری میں گول میز کانفرنس منعقد ہوئی۔ اور گاندھی لندن چلے گئے۔ وہاں پست اقوام کے نمائندوں، والیانِ ریاست اور مسلمانوں نے گاندھی جی کی نمائندگی سے انکار کر دیا اور ہندوؤں نے فرقہ وار حقوق کی تعین کا کام مسلمانوں کی مرضی کے خلاف وزیر اعظم ریمزے میکڈانلڈ کے تفویض کر دیا۔ گاندھی نے "مرن برت" رکھ کر خاطر خواہ ترمیم کرائی۔ لیکن مسلمان وزیر اعظم کے متعین کردہ حقوق سے ناخوش ہونے کے باوجود اپنی قومی حیثیت کھو کر ہندوؤں میں جذب ہونے کے لئے تیار نہ تھے۔

یہی وجہ ہے کہ ۱۹۳۵ء کا جدید دستور بن کر آیا۔ تو اس میں فرقہ وار عطیہ کا وہ حصہ باقی رہ گیا جو مسلمانوں سے متعلق تھا۔ کانگریس اس وقت چپ ہو گئی۔ مگر گاندھی اور ان کے حواریوں نے شورش برپا کر دی۔ سارے ملک میں ہندوؤں نے مخالفت کا طوفان اٹھا دیا۔ اعتراض یہی تھا کہ مسلمانوں کو ان کے اکثریتی علاقوں کی مجالس قانون ساز میں ہندوؤں سے زیادہ نشستیں مل جائیں گی۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ فرقہ وار فیصلہ میں پنجاب کی مسلم اکثریتوں کو اقلیت بنا دیا گیا۔ لیکن حرص کے ناخن بڑھ گئے تھے، وہ تو سارے ہندوستان پر حکمرانی کے خواب دیکھ رہے تھے، مسلمانوں کو اپنے قدموں میں لوٹتا اور اپنی تیوری کے بل پر ناچتا ہوا دیکھنا چاہتے تھے، لیکن اب وہ پہلا سا مسلمان نہیں تھا ہندوستان میں اقبال کے کلام اور ادھر ایشیا کے مجاہد جمال الدین افغانی کے فلسفہ نے کافی کچوکے دیئے تھے، وہ اب اپنی کھلی ہوئی آنکھوں سے دنیا کو دیکھ رہا تھا۔ وہ کوئی اور فریب کھانے کے لئے قطعی تیار نہ تھا۔ ادھر جناح نے انگلستان میں بیٹھے ہوئے دیکھا کہ حکومت ہند نے قانون ہند منظور کر دیا اور صوبہ واری انتخابات نے ان کی قوم کو کانٹوں پر کھڑا کر دیا تو وہ بے تاب ہو گئے۔ خون نے جوش کھایا ضمیر نے آواز دی اور ذہین طبقہ کا قائد عوام کا رہبر بن گیا۔

واقعہ یہ ہے کہ اس ذیلی براعظم میں ربع صدی سے کچھ زیادہ عرصہ تک ـــــ دونوں جنگوں کی درمیانی مدت میں ـــــ مسلمانوں کی

زندگی ایک حزنیہ اور المیہ کہانی رہی، جو آج بھی رونگٹے کھڑے کر دیتی ہے۔ مسلمان سیاسی تنزل کی تاریکی میں ڈوبتے جا رہے تھے، کانگریسی مہاجنوں اور فاشسٹی آمروں کے ہاتھوں نامعلوم طور پر تباہ ہو رہے تھے۔ ہندو وزارت اور عمل دخل نے مسلمانوں کے لئے خطرناک اور پر آشوب صورت حال پیدا کر دی تھی، فسادات ہنگامے، جیل اور تعزیرات سبھی کچھ انھیں بھگتنا پڑا۔ ان کی حالت بالکل ایسی تھی۔ جیسے دونوں طرف آگ! پرانی دفتریت اور نئی ہندو ذہنیت ـــــ قتل وخون کی مہم! سیاسی، معاشی، معاشرتی تباہی اور تنزل!! کلیلہ اور دمنہ شیر کو کھائی کی طرف لئے جا رہے تھے، شاہین زادے کرگسوں کی صحبت میں بزدل اور مفلوج ہوتے جا رہے تھے، قوم کا شکستہ سفینہ تباہی کی چٹان سے ٹکرانے کو تھا۔

کتنی حیرت کی بات ہے کہ طوفان اور ذرا سی آب جو رہ گیا۔ مسلمان اسی جگہ دائمی غلامی کا طوق پہننے والے تھے۔ جہاں ہزاروں برس انھوں نے عزت وآبرو اور شان وشوکت سے حکومت کی تھی، اب وہ تاریخ کی فراموش کردہ اور دنیا کی ٹھکرائی ہوئی قوموں کی صف میں کھڑے ہونے کے لئے تیار تھے، سیاسی ارتقا کی دوڑتی ہوئی گاڑی تلے کچل جانے پر آمادہ تھے، لیکن ایسے ہی وقت کوئی بسمارک، کوئی ہٹلر، کوئی اتاترک اور کوئی مجاہد پیدا ہوتا ہے اور بھٹکے ہوئے گلے کی نگہبانی کے گراں قدر فرائض کی ذمہ داری قبول کر کے ڈوبنے والوں کو اوپر اٹھا لیتا ہے۔

سچ مچ مسلمان بہت پریشان تھے، ستاروں کو راہ دکھانے والے خود آج ایک مرد راہ داں کے لئے ترس رہے تھے۔ بے بسی کے عالم میں ان کی نگاہ قائد اعظم پر پڑی۔ قوم کے ڈگمگاتے جہاز کو بچانے کی صلاحیت صرف قائد اعظم میں نظر آئی اور مسلمانوں نے ایک خضر راہبر کی طرح انھیں اپنا عظیم تر قائد بنا لیا۔ اگرچہ قائد اعظم ایک عرصہ سے ہندوستانی سیاست کی الجھی ہوئی پگڈنڈی پر چل رہے ہیں۔ میدان سیاست میں وہ ایک کامیاب کھلاڑی کی طرح ہر وقت نمایاں اور بلند رہے، پھر بھی ان کی قیادت کا حقیقی دور اس وقت سے شروع ہوتا ہے کہ انھوں نے ہندوستانی مسلمانوں کی تقدیر کی باگ اپنے ہاتھوں میں لی۔ قوم کے لئے یہ انتہائی بیش بہا دن تھا۔ جبکہ ۱۹۳۴ء میں انگلستان کی معروف زندگی کو خیرباد کہہ کر طوفان وباد و باران کے ایسے وقت جبکہ دوسرے تمام قائدوں کے دل بیٹھ گئے تھے اور مایوس ہو کر انھوں نے قسمت کا سہارا لے لیا تھا، اس صاحب نظر اور دیدہ ور نے ٹوٹی ہوئی کشتی کی ناخدائی قبول کی اور براہیمی نظر کے ایک ہی کرشمہ سے قوم کے سفینہ کو بھنوروں کے جبڑوں سے نکال لیا۔

یہ صحیح ہے کہ اس وقت ہزاروں فرعون گھات میں تھے آذری صنم خانے میں بے شمار نئی شکلیں تھیں۔ لیکن خلیل زادے کی ایک ضرب نے سحر باطل کو پارہ پارہ کر دیا۔ کانفرنس کے بعد جب قرطاس ابیض شائع ہوا تو اس پر غور کرنے کے لئے ایک

مجلس بنائی گئی جو برطانی پارلیمان کے دونوں اراکین پر مشتمل تھی۔ اس مجلس نے اپنی سفارشات پیش کیں جو "جوائنٹ پارلیمنٹری کمیٹی" کے نام سے موسوم ہیں۔ ان سفارشات کا خلاصہ یہ تھا کہ برطانی ہند کے صوبوں اور دیسی ریاستوں کو ایک کل ہند وفاق کی شکل دی جائے اور صوبہ وار خود مختاری عطا کی جائے۔ اس رپورٹ میں فرقہ وار عطیہ بھی شامل تھا جس میں صوبہ واری اور وفاقی مجالس قانون ساز میں مختلف اقوام ہند کی نمائندگی کے تناسب کا تعین کیا گیا تھا، یہ تجویز ہندو کے لئے تو واقعی مفید تھی۔ سارے ہندوستان پر حکمرانی کے خوابوں کی خوش آیند تعبیر تھی اور مسلمانوں کے لئے فریب آرزو ضرور تھا، جب یہ رپورٹ مقننہ میں اظہار رائے کے لئے پیش ہوئی تو قائداعظم نے ماہرانہ تنقید کی اور مسلمانوں کے نقطہ نظر کو واضح کرتے ہوئے وفاقی اسکیم کی ایسی مخالفت کی کہ وہ دریا برد ہو گئی۔ سچ تو یہ ہے کہ پارلیمانی جنگوں کا غازی کسی سے دبنے والا تھوڑی تھا۔ بارہا ان کے نطق نے پارلیمانی عمارتوں کے فلک بوس گنبدوں میں رعشہ ڈال دیا تھا۔ کسی کو رد کرنے کی تاب نہ ہوئی۔ اور ان کی ترمیم قبول کر لی گئی۔ یہ ترمیم سیاسی ادراک، نکتہ سنجی اور شاندار نتیج کے اعتبار سے ہندوستانی سیاست میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔

جب ادھر سے فرصت ملی تو قائداعظم نے مسلم ذہنیت کا مطالعہ کر کے قومی نشاط ثانیہ کا اعلان کر دیا اور آوارہ

گھوڑے کی باگ موڑ دی تو ان تمام مخالف قوتوں کے چھکے چھوٹ گئے جو مسلمانوں میں افتراق و انتشار پیدا کرنے میں ہمہ تن مصروف تھیں۔ پھر انھوں نے ایک ہمدرد اور ماہر طبیب کی طرح قوم کی نبضوں پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس کے اذہان کو ٹٹولا۔ خواہشات کو بھانپ گیا اور ان کے تحت الشعور میں پرورش پانے والے تصورات کو منظر عام پر لاتے ہوئے کہہ دیا کہ مغربی جمہوری طرز حکومت ہندوستان کے لئے قطعی ناموزوں ہے تو کانگریس بلبلا اٹھی۔ یہ ایسی تلخ و ترش گولی تھی کہ ہندو اسے نگل نہ سکے۔ ان کی ساری امیدیں دفن ہو گئیں، اور یہ کانگریس اور گاندھی کی نظر میں ناقابل معافی گناہ تھا!

قائداعظم نے یکا و تنہا دن رات کام کیا۔ ہر مسلم گھر میں امید و رجا کا پیام بھیجا۔ دلوں کو بڑھایا، سوز و آرزو سے سینہ کو بے تاب کر دیا۔ یقین و عمل کا پیام دیا۔ قوم کے دل کی دھڑکن کو سنا، ان کی نبضوں کے زیر و بم اور ذہنی ارتقا پر غور کیا، انھیں اپنی پوشیدہ صلاحیتوں سے واقف کراتے ہوئے بتا دیا کہ ان کا مقام ثریا سے بھی اونچا ہے اور جرم ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات کے سوا کچھ نہیں ہے۔ مردہ دل اور مایوس قوم کو یہ راز سربستہ بتا دیا کہ اس کی آغوش میں وہ تجلی ہے جس میں افلاک کے تمام ثابت و سیار کھو جائیں گے اور اس خاکستر میں ابھی وہ چنگاری ہے کہ جس سے پھر ایک تازہ جہان پیدا ہو سکتا ہے۔ قوم کو اپنے ساتھ قدم بہ قدم

لے کر چلے اور آفرین وتحسین سے جذبہ وجوش پیدا کر کے حزن ویاس لے لمحات میں ان کے راستہ پر نور ومسرت پھیلا دیا۔ درحقیقت قائداعظم کی سعی پیہم اور جانفشانی کا نتیجہ ہے کہ قوم نے گندے جھٹک کر جھرجھری لی اور ساری لعنتوں کو جھٹک کر عمل کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ یہ معجزہ ہی تو ہے کہ سمندر پھر اپنی خاکستر سے زندہ ہو گیا۔ اور سچ مچ یہ قائداعظم کا ان مٹ کارنامہ ہے کہ انھوں نے ہندوستان جیسے ملک میں جہاں دوسو برس تک مہاجنوں اور مکاروں کی حکومت رہی، ایک مردہ قوم میں روح ڈالی، ایک "ابنوہِ کثیر" کی شیرازہ بندی کی اور روبہ زوال ملت کو عزت نفس اور خودداری کا سبق پڑھایا۔ قائداعظم نے وہ سب کچھ حاصل کر لیا جو بظاہر ناگوار اور ناممکن تھا ؏

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

زیر نظر کتاب میں ۱۹۳۷ء تا ۱۹۴۷ء تک کے اہم خطبات، بیانات اور تحریرات شامل ہیں، کیونکہ سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد سے ہندوستانی مسلمانوں کی تاریخ میں یہی دور سب سے زیادہ اہم پر آشوب اور ہنگامہ پرور رہا ہے، ویول پلان، شملہ کانفرنس، راجہ جی فارمولا، تقسیم ہند، پارلیمانی وفد کی آمد، کرپس تجاویز اور وزارتی وفد کی سرگرمیاں سبھی کچھ اس دور کی پیداوار ہے۔ اس مختصر سی کتاب میں قائداعظم کی ساری تقاریر، بیانات اور خطبات کو اکٹھا نہیں کیا جا سکتا تھا اس لئے سیاسی مد وجزر کی صرف ان اہم کڑیوں کو ایک خاص زاویہ نظر کے ساتھ اس طرح جمع کر دیا گیا ہے کہ جو خصوصی قومی کردار

سیاسی صورت حال لیگ کے موقف، مسلمانوں کے نصب العین اور مخالف عناصر کی ریشہ دوانیوں کو منظر عام پر لے آتی ہیں۔ یہ تقاریر و خطبات مسلمانوں کے مطمح نظر کی وضاحت اور ملی ترقی و تعمیر اور قومی ذہنی ارتقاء کا پورا پورا نقشہ پیش کرتے ہیں۔ سچ مچ یہ بیانات خطبات اور تقاریر ایک زوال آشنا قوم اور تباہ و تاراج ملت کے قعر مذلت سے نکل کر جائز اور باعزت مطالبۂ حق خودارادیت کے ساتھ خودمختاری اور آزادی کی تابناک، بلند اور پاکیزہ منزل کی طرف کوچ کے سارے نقوش قدم کو روشنی میں لے آتی ہیں۔

یہ نہایت صریح اور کھلی ہوئی بات ہے کہ کانگریسی اعلیٰ کمان نے فاچسطی طرز پر ملک کے لئے ایک مکمل ہندو راج کی تشکیل کا تہیہ کر لیا تھا۔ پست اقوام کے ساتھ مسلمان بھی اس ہندو راج کی رتھ کے پہیوں سے باندھ دیئے جانے والے تھے۔ لیکن اس گھناؤنے مقصد کے نقطۂ عروج پر پہنچتے پہنچتے قائداعظم نے بابو راجندر پرشاد سے مصالحت کی گفتگو کی، ایک فارمولا مرتب ہوا لیکن مہاتما کی روحانیت کے سایہ میں کوڑھ مغز ہندوؤں نے مسلمانوں کے مطالبات مسترد کر دیئے۔ اور آزادی کی شمع خود اپنے ہاتھوں گل دی۔

خیابانیوں کے انداز دلبرانہ سے قائداعظم کچھ بیزار سے ہو گئے تھے۔ چنانچہ انھوں نے ۱۹۳۶ء میں مسلم لیگ کا اجلاس طلب کیا۔ اپنی مساعی جاری رکھیں۔ اور خلوص و صداقت کے

ساتھ کانگریسی اعلیٰ کمان کو جھوٹے تقدس اور مصنوعی روحانیت کی بلندیوں سے نیچے اتار کر حقائق سے روشناس کرانا چاہا، لیکن اقتدار کے نشہ سے دھت ہو کر ہندو قائدین نے دروازے بند کر لئے، جیسے یہ بیچارے بے سہارا مسلمان ہندوؤں کے قدموں میں لوٹنے والے تھے۔ قائدِ اعظم اس زعم باطل کا شکار نہ ہوئے۔ شعلہ بھی کہیں ہوتا ہے غلامِ خس و خاشاک! انھوں نے پھر ایک بار اپنی تمام تر قوتوں کے ساتھ مسلم حقوق اور مفادات کے تحفظ کی کوشش کی۔ کانگریسی آمر اور ہندو قائدین نے مسلمانوں کے مطالبات پر غور کرنے سے انکار ہی نہیں کیا، بلکہ اس درزی بچے نے ہاتھی کی سونڈ میں چبھو دی اور دوست کی پیٹھ میں خنجر بھونکنے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا تو ایک ایسا طوفان اٹھا، تند و تیز آندھی چلی کہ جس نے وردھا کی بنیادوں کو ہلا دیا۔

لیگ کے پارلیمانی بورڈ کے قیام کے بعد سے ۱۹۴۷ء تک کی ساری مدت ایک امتیازی حیثیت رکھتی ہے۔ معجزنما ترقی اور مسلمانوں کی بیداری اور احساس آزادی قائدِ اعظم کی قیادت کی لافانی یادگار ہے۔ ثابت قدمی اور مستقل مزاجی سے انھوں نے فولادی چکر گھمایا اور ہندوستانی مسلمانوں کو ذلت و نکبت، انتشار و افتراق پستی و ابتذال کی دلدل سے نکال کر ۱۰ کروڑ کی ٹھوس، منظم اور متحد طاقت کی تشکیل کی۔ جگر پگھلا دینے والی مہم میں کامیاب

ہو گئے، آج مسلم ہندوستان کا اپنا مرکز اور اپنا پرچم ہے.
سارے مسلم ہند کی ایک آواز ہے اور یہ قائد اعظم کی زبان ہے
اب مسلمان اس منزل تک پہنچ گئے ہیں. جہاں انھوں نے قومی
اور ثقافتی خود اعتمادی حاصل کر لی ہے. اور اب مسلمانوں
کی آواز دنیا کے ہر گوشہ میں سنائی دے رہی ہے۔لیگ کے
مطالبات نے افطائے عالم میں غلغلہ ڈال دیا ہے۔ سچ مچ یہ
قائد اعظم ہی کا فیضانِ کرم ہے کہ قوم گراں خوابی سے
چونک کر روشن اور تابندہ جادۂ حیات پر گامزن ہو گئی۔

نیابت، مقبولیت اور عوامی اعتماد کے اعتبار سے
قائد اعظم تمام ہندوستانی سیاسی لیڈروں سے بازی لے گئے
معمولی ذہنیت اور اوچھی فطرت کا آدمی اس رتبہ سے ڈگمگا
جاتا، لیکن قائد اعظم تو بہت بلند سطح پہ ہیں، قدرت بھی توظرف
قدح خوار دیکھ کر ہی نوازتی ہے! دن بہ دن ان کے معتقدین
کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے۔ حق تو یہ ہے کہ آج کوئی مسلمان
——منافق کو چھوڑیئے—— ان کی رائے سے اختلاف
نہیں رکھتا، کوئی ان کے قول کو جھٹلاتا نہیں، چپ چاپ سب
ان کے پیچھے چلے جا رہے ہیں۔ ان کی ہر بات کو صداقت
اور ہر فعل کو قابل تقلید سمجھا جا رہا ہے. کتنی بڑی کامیابی
ہے! یہ رتبہ جسے ملا، مل گیا ورنہ ع

ہر مدعی کے واسطے دار ورسن کہاں

قائد اعظم کی روش سیدھے سادے مسلمان کی سی ہے۔ حق گوئی و بیباکی ان کا امتیاز ہے۔ وہ اپنے آپ کو صرف انسان سمجھتے ہیں، مہاتما، فوق البشر اور پنڈت و مولانا نہیں! قبائلی کی حیثیت سے وہ عوامی تصور و تخیل اور سیاسی مدّو جزر پر خوب نگاہ رکھتے ہیں۔ وہ اپنے ہی اعتقادات اور خیالات قوم پر عائد کرنا نہیں چاہتے۔ بلکہ اسے بھی سوچنے سمجھنے اور فیصلہ کرنے کا موقع دیتے ہیں، معمولی اور غیراہم واقعات میں الجھا کر قوم کی توانائیوں کو ضائع کرنا نہیں چاہتے۔ وہ قدم بہ قدم، آہستہ لیکن مستقل مزاجی سے آگے بڑھانا چاہتے ہیں چنانچہ کہتے ہیں:-

کسی فیصلے پر پہنچنے سے پہلے سو بار غور کرو۔
اور جب طے کر لو تو چٹان کی طرح اس پر جم جاؤ۔"

اغیار کی فتنہ سامانیوں نے ہر بار انھیں اپنے مقام سے کھینچ لینے کی کوشش کی۔ لیکن آپ نے ہر وقت نرمی اور مروت سے جواب دیا، وہ سب کی سنتے اور پھر ایک ہی ضرب کلیمی سے باطل کے تاروپود بکھیر دیتے ہیں فریب کاروں کے لئے یہی چوٹ ناقابل برداشت بن جاتی ہے۔ اور وہ دشنام دینے لگتے ہیں۔ کانگریسی قائدین کی فطرت ثانی بن گئی ہے کہ وہ غیروں کے سامنے گھٹنے ٹیک کر بھیک مانگتے ہیں، متحدہ امریکہ، چین، روس اور

برطانیہ سے اپنے سامراجی خاکوں کی تشکیل چاہتے ہیں برخلاف اس کے قائد اعظم نے کبھی اپیل نہیں کی، جب کانگریس نے مذموم پروپیگنڈے کے ذریعہ انتشار پھیلانے اور اتحادی طاقت کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لئے اپنے خزانوں کا منہ کھول دیا۔ اور "سامراج دوست" اور "دشمن آزادی" کے طعنے دینے لگے۔ تو قائد اعظم ایک طوفان کی طرح اٹھے اور خس و خاشاک پر چھا گئے۔ وہ بہ یک وقت شعلہ بھی ہیں اور شبنم بھی!

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری!

حقیقت یہ ہے کہ پچھلے چند برسوں میں قائد اعظم نے ہندوستان کو جس سیاست کا سبق پڑھایا۔ اس میں مغرب کی آیلہ کاری، خود غرضی اور فتنہ سامانی کا شائبہ تک نہیں ہے۔ سامراج شاہی اور چنگیزی خصوصیات کی طرف انھوں نے اشارہ تک نہیں کیا۔ ترقی کی بے انتہا خواہش کے باوجود دوستی اور اتحاد اچھا معلوم ہوا۔ مگر اتحاد کا دعویٰ کرنے والوں کے پاس تو قطرۂ خون بھی نہ نکلا۔ اور جب وہ خود خنجر آزما ہوئے تو قائد اعظم نے بھی علیحدگی کا مطالبہ کر دیا واقعہ یہ ہے کہ جب دو بھائی آپس میں مل کر نہیں رہ سکتے

تو لازمی انجام علیحدگی ہے۔ اور یہاں تو ہند و مسلم میں بعد المشرقین ہے! زاغ وزغن اور عقاب و شاہین! لطف یہ کہ زاغ وزغن عقابوں کے نشیمن پر تصرف حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ خس و خاشاک اور شعلہ کو ہڑپ کر جانا چاہتا ہے!

قائد اعظم کے تدبر نے انگڑائی لی، دقیقہ سنجی نے آنکھ کھولی۔ اور انھوں نے بساط پر ایک عقابی نگاہ ڈالتے ہوئے اپنے پیادوں کو اس تیزی سے آگے بڑھایا کہ مقابل کی فرزیں مات کھا گئیں۔ ان کے داخلی اور خارجی تدبر اور اتحاد کے حسین سنگم سے ایک خوب صورت اور دل فریب پھول کھِل گیا ——— پاکستان!

آج اس پھول کی مہک چین سے لے کر پیرس تک پھیلی ہوئی ہے۔ حق تو یہ ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کی سیاسی بیداری کا یہ ثمر قائد اعظم کی ان تھک مساعی کا کرشمہ ہے۔ انھوں نے ایک تازہ جہان پیدا کر کے دوستوں اور دشمنوں دونوں کو محو حیرت کر دیا۔ عقابوں کے نشیمن کو زاغوں کے تصرف اور کرگسوں کی ہمسائیگی سے بچانے کے لئے ایک آزاد جہان کا خاکہ ڈال دیا۔ جہاں وہ نیلگوں آسمان کی

بے کراں وسعتوں میں بازو پھیلا کر نہایت آزادی سے پرواز کر سکتے ہیں ——

ع۔ نہ بادِ بہاری، نہ گلچیں، نہ بُلبُل
نہ بیماریٔ نغمۂ عاشقانہ!

——پاکستان زندہ باد!!

وفاداری بشرطِ استواری اصل ایماں ہے

خواتین و حضرات :-

ربط و اتحاد۔ آج کا جلسہ مسلم لیگ کی گزشتہ تیس سالہ زندگی میں سب سے زیادہ اہم اور پُر آشوب ہے۔ آج آپ کو جس حکمتِ عملی اور لائحۂ عمل پر غور و فکر کی دعوت دی جا رہی ہے۔ وہ تمام ہندوستانی مسلمانوں اور اور ملک کے بیشتر حصّے کی قسمت و تقدیر کا ضامن ہے۔ مسلم لیگ نے اپنی تاریخ میں پہلی مرتبہ ۱۲۔ اپریل ۱۹۳۶ء کو عوامی ربط و اتحاد کا اہم فریضہ اپنے ذمہ لیا۔ لیگ نے بدلتے ہوئے حالات کا گہرا مطالعہ کر کے آئندہ صوبہ واری انتخابات کی صورتِ حال پر نظر ڈالی تو اس کا کوئی بدل نظر نہ آیا۔ انتخابات میں حصہ لے کر مقننہ میں جگہ پیدا کرنا ہی واحد صورت باقی رہ گئی ہے۔ یہ بھی محسوس کیا گیا کہ اس کا نعم البدل تو کچھ نہیں ہے اور اگرچہ یہ تشفی بخش نہیں ہیں۔ پھر بھی ان انتخابات کو بہتر مفاد کے لئے استعمال کرنا چاہیئے۔ اب میں پھر ۱۲۔ اپریل ۱۹۳۶ء کی قرارداد کو دہراؤں گا۔

جُدید دستور کے باضابطہ نفاذ کے ساتھ ملک میں جو پارلیمانی طرزِ حکومت قائم کی جا رہی ہے۔ وہ قطعی واضح مقاصد

کے ساتھ پارٹی بندی کا پیش خیمہ ہے۔ انتخابی معلومات بہم پہنچاتی ہے! ور جماعتوں کو قطعی مقاصد اور واضح تصورات کے ساتھ باہمی تعاون پر آمادہ کر کے دستور کے افادی پہلو کا یقین دلاتی ہے۔ اس لئے مسلم اجتماعیت کو مستحکم اور مضبوط بنانے اور صوبہ واری حکومتوں میں ان کے اثر و رسوخ کو بڑھانے کے لئے ناگزیر طور پر انھیں ایک ترقی پسند اور تعمیری لائحہ عمل کے ساتھ ایک جماعت کی صورت میں منظم اور متحد ہو جانا چاہیئے۔ مسلم لیگ آج تہیہ کرتی ہے کہ آئندہ صوبہ واری انتخابات میں حصہ لینے کے لئے وہ اپنے آپ کو تیار کر لے گی۔ اور مسٹر جناح سے اپیل کرتی ہے کہ وہ اپنی صدارت میں کم از کم ۳۵۔ اراکین کی ایک مرکزی مجلس انتخاب تشکیل دیں۔ اس مجلس کے اراکین کو مختلف صوبوں کے حالات کے مطابق یہاں کی صوبہ واری انتخابی مجالس کے قیام کا اختیار ہو گا۔"

انتخابی مہم۔ اس قرارداد کی منظوری کے بعد جون ۱۹۳۶ء میں مسلم لیگ کا مرکزی پارلیمانی بورڈ قائم کیا گیا۔ اور مختلف صوبہ جات میں بھی صوبہ واری مجالس کا قیام عمل میں آیا۔ تاکہ مسلم لیگ کی حسب ہدایت قرارداد کو عملی جامہ پہنایا جا سکے۔ یہ بڑی دشوار مہم تھی۔ کوئی معمولی اقدام نہیں تھا۔ خصوصاً ایسی صورت میں تو واقعی بڑا کام تھا۔ جبکہ پہلے سے کوئی انتظام اور کوئی باضابطہ تنظیم کا وجود نہ تھا۔ پورے ہندوستان میں مسلمانوں کی

اقلیت ہے۔ وہ ابتر و کمزور رہیں۔ تعلیمی اعتبار سے بہت پیچھے اور معاشی لحاظ سے نہایت پست ہیں۔ پھر بھی محض انتخابات لڑنے کے لئے یہ اچانک قدم اٹھایا گیا۔ ان کی معاشی اور اقتصادی ترقی اور استحکام کی پہلے کوئی باقاعدہ سعی نہیں کی گئی تھی۔ حالانکہ ہمسایہ قومیں اپنی تنظیم، منظم معاشرت اور معاشی منصوبہ بندی کے اعتبار سے بہت آگے نکل گئی ہیں خصوصاً ہندو نہ صرف اکثریت میں ہیں بلکہ نہایت تربیت یافتہ، کافی منظم، اعلیٰ تعلیمانہ اور معاشی و معاشرتی اعتبار سے بھی کافی بلند ہیں۔

کامیابی۔ لیکن آج میں یہ ضرور کہوں گا کہ انتخابات کے ختم ہونے سے پہلے صرف چھ ماہ کی سرگرمی کے نتائج نہایت امید افزا ہیں۔ ہمیں مایوس ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہر صوبہ میں جہاں لیگ کی پارلیمانی مجلس قائم ہے۔ لیگی جماعتوں کی تربیت کے بعد مقابلہ میں لیگی امیدواروں نے ۶۰ اور ۷۰ نشستیں حاصل کر لیں اور انتخابات کے ختم ہونے پر میں نے دیکھا کہ انتہائی جنوب میں مدراس سے لے کر شمال مغربی سرحدی صوبہ تک سارے اضلاع میں چھوٹی چھوٹی سینکڑوں ضلع واری مجلسیں قائم ہوگئیں۔ گزشتہ اپریل کے بعد سے زیادہ مسلمان لیگ کے اطراف جمع ہو گئے۔ مجھے کامل یقین ہے کہ ایک بار جب مسلمان لیگ کے نظام العمل اور حکمتِ عملی کو سمجھ لیں گے تو ملک کے گوشہ گوشہ سے مسلم آبادی لیگ کے اطراف جمع ہو جائے گی اور سارا مسلم ہندوستان متحد ہو کر اس کے پرچم تلے کھڑا ہو جائے گا۔ مسلم لیگ ایک واضح قومی اور مکمل جمہوری

حکومتِ خود اختیاری چاہتی ہے۔

عوامی حکومت۔ جاہلوں اور ان پڑھ عوام کو آلۂ کار بنانے کے لئے اصطلاحوں اور لفظی ترکیبوں کا ایک طومار باندھ دیا گیا ہے۔ مختلف ترکیبیں گھڑ لی گئی ہیں۔ مثلاً پورن سوراج، حکومتِ خود اختیاری۔ مکمل خود مختاری، ذمہ دار حکومت، مقبوضاتی حیثیت وغیرہم۔ بعض لوگ تو مکمل خود مختاری کا راگ الاپتے ہیں۔ لیکن زبان پر نعرہ "مکمل خود مختاری" اور ہاتھ میں قانون ۱۹۳۵ء رکھنے سے خود مختاری کا قلعہ سر نہیں کیا جاسکتا۔ جو لوگ مکمل خود مختاری پر زیادہ زور دیتے ہیں وہی دراصل اس کی بنیاد کو منہدم کرنا چاہتے ہیں، کیا گاندھی ارون معاہدہ مکمل خود مختاری کا ہم آہنگ ہے؟ کیا عہدوں سے پہلے تیقنات قبول کر لئے جائیں گے۔ اور صوبہ واری دستور "پورن سوراج" کے ساتھ مستقل طور پر روبہ عمل لایا جائے گا، کیا تیقنات کے مسترد کر دیئے جانے پر دستور عہدوں کو قبول کر رہا تھا۔ اور کیا کانگریس حکمتِ عملی، لائحۂ عمل اور اعلانات کی موافقت میں برطانی پارلیمان کا نافذ شدہ صوبہ واری دستور کام کر رہا تھا؟ کیا ناکامی کا مطلب کامیابی ہے؟ شکست کا نام فتح ہے؟ یہ اشتہار بازی، آوازے اور اعلانات ہمیں کسی منزلِ تک نہیں لے جائیں گے۔ ہندوستان کو تو ایک قطعی متحدہ محاذ اور دیانت دارانہ واضح مقصد کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد حکومت تمہاری ہو گی جو چاہے نام دیدیجئے۔ لیکن دراصل عوامی حکومت ہو گی، عوام کی حکمرانی ہو گی اور عوام ہی کے لئے ہو گی۔

پال ہسٹ۔ موجودہ کانگریسی قیادت نے بالخصوص گزشتہ سال سے ایک مکمل ہندو حکمتِ عملی پر کاربند رہ کر ہندوستانی مسلمانوں کو برگشتہ کر دیا۔ اور جب سے اُنھیں اپنی اکثریت کے چھ صوبوں میں حکومت ملی۔ انھوں نے اپنے قول و فعل، حکمتِ عملی اور طریقہ کار سے ممکنہ حد تک ثابت کر دکھایا کہ مسلمانوں سے مساوات اور انصاف کی توقع عبث ہے انھوں نے اپنی اکثریت کے علاقوں میں اور ان مقامات پر جہاں انھیں حالات سازگار ملے مسلم لیگ، سے تعاون کا انکار کر دیا۔ اور اپنے غیر مشروط اطاعت کے معاہدے کو دستخط کے لئے آگے بڑھایا۔

ان کا مطالبہ ایک ہٹ دھرمی تھا، وہ چاہتے تھے مسلمان اپنی جماعتوں سے منحرف ہو کر اپنی حکمتِ عملی سے روگردانی کر کے مسلم لیگ کو منتشر کر دیں۔ لیکن جہاں ان کی اکثریت نہیں تھی یعنی صوبہ سرحد میں تو ان کی اجتماعی ذمہ داریوں کا مقدّس اصول رفو چکّر ہو گیا! ور کانگریسی جماعتوں کو دوسری جماعتوں سے ملاپ کی اجازت دیدی گئی ہر انفرادی مسلمان ممبر جو ان کی غیر مشروط اطاعت اور ان کے معاہدہ کو تسلیم کر لیتا اُسے وزارت کا عہدہ دیا جاتا۔ اور مسلمان وزیر کی حیثیت سے کھڑا کیا جاتا تھا۔ حالانکہ مقننہ میں اسے نہ تو مسلمانوں کی غالب اکثریت کا اعتماد حاصل ہوتا اور نہ ہی وہ ان پر قابو رکھ سکتا تھا۔ کانگریس کی غیر مشروط اطاعت اور معاہدہ کے آگے سر جھکانے والے مسلمان کو کانگریس کی "وفادارانہ خدمات" کا اہل گردانا جاتا اور غدّاری کی تقویت ہی اس کا انعام ہوتا تھا۔

کوٹے کا دربار۔ تمام ہندوستان کی قومی زبان ہندی قرار دی گئی۔ بندے ماترم کو قومی گیت کا درجہ دیا گیا۔ اور کانگریسی جھنڈے کا احترام سب کے لئے لازمی قرار دیا گیا۔ ایسے وقت جبکہ اقتدار و حکومت کا ادنیٰ حصہ ان کے ہاتھ میں تھا، انھوں نے کھلّم کھلّا بتا دیا کہ ہندوستان صرف ہندوؤں کے لئے ہے، صرف کانگریسی غنڈوں کے لئے ہے۔ جو قوم پرستی کی زرتار نقاب اوڑھے ہوئے ہیں۔ میں نہایت وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ کانگریس کی موجودہ حکمتِ عملی کا لازمی انجام جماعتی تلخیاں اور خانہ جنگی ہے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ سامراج کی یہ جکڑ مضبوط تر ہو جائے گی۔ مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی باک نہیں کہ ہے اس خصوص میں حکومت برطانیہ کانگریس کو آزاد چھوڑ دے گی۔ اس کے لئے تو کوئی ہرج نہیں ہے۔ بلکہ ایک طرح سے تو حکومت کی یہ روش اس کے اپنے لئے منفعت بخش اور شاہی مفاد اور سامراج کی تقویت کا باعث بن جائے گی، لیکن میں محسوس کرتا ہوں کہ جب کانگریس ملک میں زیادہ سے زیادہ جماعتیں اور گروہ پیدا کر دے گی تو ایک خطرناک ردِّ عمل ہو گا۔ اور متحدہ محاذ خواب بن کر رہ جائے گا۔

حکومت کی ڈھیل۔ نامناسب نہ ہو گا اگر یہ کہا جائے کہ نئے پیدا ہونے والے خطرناک نتائج کی کم و بیش حکومتِ برطانیہ بھی ذمہ دار ہے۔ یہ صاف طور پر دیکھا گیا کہ کانگریس کے مطالبۂ تیقنات کی بحث کے دوران میں لارڈ زٹلینڈ وزیر ہند کے دستور کے تحت گورنروں اور گورنر جنرل کو اقلیتوں کے تحفظ اور ضمانت کا جو اختیار دیا گیا تھا

وہ ان فرائض سے پوری طرح عہدہ برآ ہونے میں ناکام رہے۔ اس لئے دستور کی روح سے ایک جماعت نے بے تعلقی اور خلاف ورزی کرتے ہوئے مسلم وزارتوں کے انتخاب میں سنگین جُرم کا ارتکاب کیا۔ انھوں نے ایسے لوگوں کو آگے بڑھایا اور مسلم نمائندوں کی حیثیت سے پیش کیا جنھیں مسلم نمائندوں اور عوام کا قطعی اعتماد حاصل نہیں تھا۔ ایسے معاملے میں گورنروں کی اپنی بے انتہا مجبوری اور حکومت برطانیہ کے اقلیتی تحفظ کے مقدس فریضے سے غفلت وسہل انگاری کے اظہار سے تو صاف یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ مقننہ میں روزافزوں تغیرات اور دن بہ دن پیدا ہونے والے ایسے سیکڑوں اور ہزاروں واقعات ومعاملات پر کیونکر قابو حاصل کرسکیں گے؟ تعمیر خودی۔ وقت گزرنے سے پہلے مسلمانوں کو میں صرف یہی ایک سبق یاد دلانا چاہتا ہوں کہ ان کی راہ نہایت سادہ اور صاف ہے، اب وقت آگیا ہے کہ اپنی توانائیوں اور سارے اطمینان وسکون کو اپنی تنظیم کے لئے وقف کردیا جائے اور دوسرے تمام سوچ بچار سے ہٹ کر اپنی طاقت وفکر کو اس کی اپنی معراج تک پہنچا دینا چاہیئے۔ میں نے پہلے بھی اشارہ کیا ہے کہ مسلم جماعت منتشر اور متفرق ہے۔ ایک گروہ حکومت کا راگ الاپتا ہے، اگر اب بھی وہ ان تلخ نتائج سے آگاہ نہ ہوئے تو پھر کبھی واقف نہ ہوسکیں گے۔ خُدا صرف انھیں کی مدد کرتا ہے۔ جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں۔ ایک دوسری ٹولی کانگریس کے سامنے جھک رہی ہے۔ اس کی اہم وجہ خود اعتمادی کا فقدان ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ مسلمان تعمیر خودی کرکے اپنی تقدیر کو اپنے ہاتھوں میں لے لیں ہمیں

ایسے خود اعتماد اور مستقل مزاج لوگوں کی ضرورت ہے جو ساری دُنیا کی مخالفت کے باوجود اپنے مسلک اور مقصد کے لئے دو بدو جنگ کرنے تیار ہو جائیں مسلمانوں کی مکمل تنظیم کے لئے ہمیں اپنی طاقت اور قوت کو بڑھا کر عوام کی ٹھوس اور متحدہ طاقت اور اقتدار کا معیار حاصل کر لینا چاہیئے۔

سیاست اور طاقت۔ بڑی جماعت سے کوئی سمجھوتہ ممکن نہیں ہے کوئی ہندو لیڈر بااختیار طریقے پر اس خصوص میں کسی قسم کی دلی تمنا اور پُرخلوص آرزو کا اظہار نہیں کرتا۔ باعزت سمجھوتہ مساوی حیثیت میں ہو سکتا ہے۔ اور جب تک دونوں جماعتیں ایک دوسرے کی عزت و احترام اور پاس و لحاظ نہ کریں کسی قطعی مفاہمت کی توقع عبث ہے۔ کمزور جماعت کی طرف سے امن کے پیشکش کا مفہوم ہمیشہ اعتراف کمزوری اور دعوتِ مبارزت سمجھا جاتا رہا۔ حبّ الوطنی، مساوات، انصاف اور رضامندی کی ساری استدعاء صدا بصحرا ثابت ہوتی ہے یہ جاننے کے لئے کسی سیاسی دماغ اور اعلیٰ تدبر کی ضرورت نہیں ہے کہ اقتدار و طاقت کے بغیر تمام تحفظات اور سمجھوتے کا غذی دستاویز اور ردی اشتہار سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ سیاست کا معنی طاقت ہے۔ صرف انصاف، مساوات، رضامندی اور حقوق کی چیخ وپُکار پر تکیہ کرنے سے کام نہیں چلتا۔ اقوامِ عالم کو دیکھئے ہر روز کے واقعات پر غور کیجئے۔ حبشہ کا انجام کیا ہوا۔ چین اور اسپین کے ساتھ کیا ہو رہا ہے، اور فلسطین کے حشر پر تو کچھ کہا نہیں جاتا۔

روٹی کے ٹکڑے۔ کانگریس اعلیٰ کمان تو کئی زبانوں میں بولتے ہیں ایک دہان اور کئی زبان! ایک خیال تو یہ ہے کہ اس ملک میں ہندو مسلم سمجھوتہ کا کوئی سوال ہے اور نہ مسئلہ اقلیت کی کچھ حقیقت ہے۔ اور اعلیٰ تخیل یہ ہے کہ مسلمانوں کے موجودہ کس مپرسی اور انتشار کے عالم میں روٹی کے چند ٹکڑے پھینک دیئے جائیں تو انہیں بہ آسانی ہموار کیا جا سکتا ہے۔ اگر وہ مسلمانوں کو ہموار اور مطیع کرنے کا خیال رکھتے ہیں تو واقعی زبردست غلط فہمی کا شکار ہیں۔ اب مسلم لیگ زندہ رہنے اور دنیا کی سیاست میں اپنا موزوں مقام حاصل کرنے کے لئے آگے بڑھ گئی ہے۔ اور بہت جلد وہ اپنے تمام مفادات اور حقوق کے ساتھ اپنا لوہا منوا کر رہے گی۔ تیسرا نظریہ ہے کہ گھٹا ٹوپ اندھیرے میں کوئی شعاع نظر نہیں آتی۔ لیکن جیسے جیسے کانگریس قوی اور با اثر بنتی گئی۔ گزشتہ سارے دستاویزات اور اقرار نامے بے دستخط اور نامکمل رہ گئے تزکیۂ نفس۔ میں چاہتا ہوں کہ مسلمان صورتِ حال پر غور کریں۔ اور اپنی قسمت کا آپ فیصلہ کرنے کی خاطر سارے مسلم ہندوستان میں واحد، قطعی اور یکساں حکمتِ عملی پر ایمانداری کے ساتھ عمل پیرا ہو جائیں کانگریسی مسلمان غیر مشروط اطاعت کی تبلیغ کر کے ناقابلِ معافی غلطی کر رہے ہیں شکست خوردہ ذہنیت کی یہی معراج ہے کہ اپنے آپ کو اوروں کے رحم و کرم کا امیدوار بنایا جا رہا ہے۔ یقیناً یہ مسلم فرقے سے صریح غداری ہے۔ اگر واقعی یہ طریقہ کار اختیار کیا گیا تو پھر یہ سمجھ لیجئے کہ مسلمانوں نے خود اپنے قتل نامہ پر دستخط

کر دیئے۔ حکومت اور ملک کی قومی زندگی میں صحیح مقام پیدا کرنے میں ہر طرح ناکام رہیں گے، صرف ایک چیز مسلمانوں کو تباہی سے بچا سکتی ہے! اور اپنی عظمتِ رفتہ کو حاصل کرنے کے قابل بنا سکتی ہے۔ پہلے تو انھیں تزکیۂ نفس کرنا چاہیئے۔ اور پھر ایک سیاسی جماعت سے مربوط کرنے والے اُس اہم موقف اور اصول پر جم جانا چاہیئے جو ایک عظیم اتحاد کی بنیاد ہے۔ نعرہ بازی سے متأثر ہونے کی ضرورت ہے، اور نہ ہی ٹوڈی، فرقہ پرست اور رجعت پسند جیسی طعن و تشنیع سے گھبرانے کی کوئی وجہ ہے۔ آج روئے زمین کا بدترین ٹوڈی اور کٹر فرقہ پرست مسلمان غیر مشروط اطاعت قبول کر کے اپنی ہی قوم کو ملامت کرے تو کل ہی وہ قوم پرستوں کی صفِ اوّل میں شمار کیا جاتا ہے! ان اصطلاحات، ملامت اور نعرہ بازی کا منشاء صرف مسلمانوں میں احساس کمتری پیدا کر کے ان کے اخلاق و کردار کو دھکا پہنچانا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اس طرح کی اشتعال انگیزی سے نزاع پیدا کر کے وہ ہمیں ساری دنیا میں بدنام کرنا چاہتے ہیں۔ یہ معیار تشہیر ہے جس کے ساتھ صرف نفرت کا سلوک کیا جا سکتا ہے۔

خرقہ سالوس۔ یقیناً کل ہند مسلم لیگ مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں کے مفاد اور حقوق کی حفاظت کرنا چاہتی ہے۔ یہی اس کی بنیاد ہے۔ اور یہی اس کی تمنّا ہے۔ یہی اس ساری کشمکش کی روح ہے۔ اسی لئے مسلم لیگ اور اس کے طرفدار کانگریس کا ہدف ملامت بن گئے۔ ہمارا فعل کانگریس کے لئے متنازع فیہ ہے؟ کانگریس تو وہی سب

کچھ کر رہی ہے جو ہم نے دو سال قبل طے کیا تھا۔ لیگ کبھی گوارا نہیں کرتی کہ حکومت برطانیہ یا کوئی جماعت اور گروہ مقننہ کے اندر یا باہر مسلمانوں سے کسی طرح کی ناجائز منفعت حاصل کرے اور انھیں اپنے اشاروں کا محتاج بنا دے۔ کانگریس نے اپنے بلند بانگ دعووں کے باوجود ماضی میں مسلمانوں کے لئے کچھ نہیں کیا۔ مسلمانوں کا اعتماد حاصل کرنے اور دیگر اقلیتوں کو تحفظ کا یقین دلانے میں کانگریس بری طرح ناکام رہی کانگریس نے مسلمانوں سے ربط و اتحاد کا فرضی نقاب ڈال کر اندر ہی اندر انھیں منتشر، کمزور اور بے دست و پا کرنے کی ممکنہ سعی کی۔ اور ایک طرح سے تو ان کوششوں کا مقصد ہی یہ تھا کہ مسلمانوں کو ان کے اپنے معزز اور با اثر قائدین سے علیحدہ کر دیا جائے۔ واقعی یہ نہایت خطرناک اقدام ہے اور اب کوئی دھوکا نہیں کھا سکتا۔ باوجود مختلف نعروں، اصطلاحوں اور ترکیبوں کے اس طرح کی کوئی فتنہ انگیزی کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اقلیتوں کو مساوی حقوق دینا ہی واحد منصفانہ حل ہے بھوک اور افلاس کا ڈھول محض عوام کو اشتراکیت اور اشتمالیت کی طرف رجوع کرنے کے لئے پیٹا جا رہا ہے۔ حالانکہ ہندوستان ابھی اس کے لئے بالکل تیار نہیں ہے۔ موجودہ حالات میں راست اقدام کو مسلم لیگ خودکشی کے مترادف سمجھتی ہے۔ اسی طرح کے دو اقدام ناکام رہے اور عوام کے لئے ناقابل بیان مصائب و آلام کا باعث بن گئے ان مدافعتی تدابیر کی ناکامی کے بعد عوام پر ایک نہایت رجعت پسندانہ دستور عائد کر دیا گیا، اور اب تک اس کے لئے کانگریس کوشاں رہی۔

نہری جہالت۔ ایک قرارداد کے ذریعہ گورنر جنرل کی وساطت سے وزیر ہند کے پاس بالغ رائے دہی کے اصول پر ایک مجلس دستور ساز کی تشکیل کے لئے استدعا کرنا نہری جہالت ہے۔ یہ توکم عقلی اور شعور کی عدم توازن کی دلیل ہے۔ مجلس دستور ساز تو صرف اقتدار اعلیٰ اور شاہی اختیار ہی تشکیل دے سکتا ہے ــــــ ایسے افراد کی جماعت جنھیں اعلیٰ اختیارات کے ساتھ نمائندہ بنایا گیا ہو ــــــ اور یہی مجلس ملک کے حالات کا لحاظ کرتے ہوئے دستور مدوّن کر سکتی ہے۔ ان کے فرائض ختم ہو جاتے ہیں۔ اور ان کا مرتبہ دستور خود بخود حکومت کے دستور کی جگہ حاصل کر لیتا ہے۔ بالغ رائے دہی کے اصول پر کون حلقہ ہائے انتخاب کی تشکیل کرے گا؟ اور اسی طرح تشکیل دیئے ہوئے حلقہ ہائے انتخاب کتنے نمائندے منتخب کریں گے؟ اور ان حلقوں میں اقلیتوں کی کیا حیثیت ہو گی۔ انتخابی حلقے کیا سمجھیں گے۔ اور اس ذیلی بر اعظم کے دستور کی تدوین کے اختیار و اقتدار کے ساتھ کیونکر اس جماعت کے اراکین کا انتخاب کریں گے؟ ایک مفید و مناسب دستور کی تشکیل کے اختیارات والی خاص جماعت کے اراکین کے انتخاب میں کون رہنمائی کرے گا؟ کون اس ساری تحریک کو چلائے گا؟ قطع نظر ان کے ایسی جماعت میں اقلیت کا موقف کیا رہے گا؟ کیا واقعی کانگریس یہ سمجھتی ہے کہ یہ سب کچھ ہو کر رہے گا۔ جب کہ صرف چند دن پہلے حکومت برطانیہ کے نمائندے ہز اکسلنسی وائسرائے نے کامل اقتدار کے ساتھ تقریر کرتے ہوئے کہا کہ انھیں توقع ہے کہ وہ مستقبل قریب

میں ہندوستان میں وفاق قائم کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے اور جب وہ ہندوستان آئے تو انھوں نے بیان کیا کہ وفاقی تجویز مجموعی حیثیت سے واحد ہے اور صوبہ واری رائے شماری کے بعد مناسب وقت پر اسے روبہ عمل لایا جائے گا۔ اور کیا اب ان اٹھارہ ماہ کے تجربے نے مناسب وقت پر وفاقی تشکیل کے نظریہ کو مستحکم کر دیا؟

گاڑی کے پیچھے گھوڑا۔ ابھی تک کانگریس مجموعی حیثیت سے ملک میں اقتدار حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوئی۔ حکومت برطانیہ سے دستور کی تشکیل کی توقع حقائق سے گریز ہے اور کانگریس کا اپنے آپ کو اس کا اہل سمجھنا خیالی پلاؤ ہے۔ پہلے ملک کے تمام اہم فرقوں اور مفادات والی بڑی جماعتوں کو تو کانگریس اپنی قیادت میں لے آئے۔ ملک کی موجودہ حکمران اور بااقتدار قوت اور بیرونی حکومت سے استفسار، فرقہ واری مسئلہ کے حل سے پہلے اس طرح کا جماعتی تخیل ملک کے اہم فرقوں کا کانگریس کی قیادت تسلیم کرنے سے قبل ہی یہ ساری باتیں گاڑی کے پیچھے گھوڑا جوتنے کے مترادف ہیں۔ ساتھ ہی یہ بھی فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ ½ ہندوستان کے دستور کا انحصار تو ہندوستانی ریاستوں اور حکمرانوں کی رضامندی اور توثیق پر ہوگا۔

ریت میں ہل۔ ریت میں ہل چلانے کے بجائے کانگریس کو ٹھنڈے دل سے سوچنا اور دیکھنا چاہیے کہ حکومتِ ہند کے قانون ۱۹۳۵ء کی مشتملہ وفاقی تجویز موجودہ دستور سے زیادہ رجعت پسندانہ ہے وجو دیلیں نہیں لائی گئی۔ آج حکومت کے کارندے اور یا لنتو جانور

بڑے اعتماد اور شدت سے دعوی کر رہے ہیں کہ بہت جلد اس کا باضابطہ آغاز ہو جائے گا۔ اب کانگریس کیا پہلو بدلتی ہے؟ کیا وہ سمجھتے ہیں صرف تنہا ایک جماعت کی حیثیت سے وہ اسے روک سکتے ہیں؟ کیا کوئی اور فارمولا جنم لے گا اور کانگریس اسے نوشتۂ تقدیر سمجھ کر چپ چاپ قبول کرے گی۔ جیسا کہ باوجود کانگریس کے ممتاز لیڈروں کی شدید مخالفت کے صوبہ واری دستور کے ساتھ ہوا ہے؟

فلسطین۔ اب میں ذرا فلسطین کا رُخ کرتا ہوں۔ مسئلۂ فلسطین نے سارے ہندوستان کے مسلمانوں کے دلوں میں گہرا احساسِ غم پیدا کر دیا ہے عربوں کے ساتھ حکومت برطانیہ کی حکمتِ عملی ابتدا ہی سے عیارانہ رہی عربوں کی سادہ لوحی اور قابلِ اعتماد فطرت سے پورا پورا فائدہ اٹھایا گیا برطانیہ عظمیٰ نے خود اپنے اُس اعلان کی بے حُرمتی کی جس کی رُو سے اُس نے عرب اوطان کی خود مختاری اور جنگِ عظیم کے بعد ان کی حیثیت کا وعدہ کیا تھا۔ عربوں سے بے جا نفع اندوزی اور جھوٹے وعدوں کے بعد انھوں نے ایک ناقابلِ قبول اور رسوائے عالم بالفور اعلان کے ساتھ انتدابی قوت کی طرح قدم جمائے۔ اس اعلان میں فلسطین کو یہودیوں کا وطن بنانے کی تجویز تھی۔ اب برطانیہ عظمیٰ فلسطین کی تقسیم کا منصوبہ رکھتا ہے۔ اور رائل کمیشن کی توثیق نے تو گویا اس حزینہ کی تکمیل ہی کر دی اگر اسے روبہ عمل لایا گیا تو عربوں کے وطن میں ان کی اپنی ہر جائز آرزو اور تمنّا کی بربادی اور تباہی ناگزیر ہے۔ اور اب ہم سے حقائق پر غور کرنے کے لئے کہا جاتا ہے۔ لیکن کس نے پیدا کی یہ صورتِ حال؟

یہ صرف برطانوی مدبرین کی کارستانی اور پُرجوش مساعی کا نتیجہ ہے۔ ہمیں امید ہے اور قرینہ بھی یہی ہے کہ مجلس اقوام نے رائل کمیشن کی تجویز پہ توثیق نہیں کی۔ اب پھر نئے سرے سے غور کیا جائے گا۔ لیکن کیا عربوں کو ان کے جائز حقوق دینے کی منصفانہ کوشش ہے؟ میں حکومت برطانیہ کو آگاہ کر دینا چاہتا ہوں کہ اگر مسئلۂ فلسطین کو انصاف و صداقت سے طے نہیں کیا گیا، جرات اور خلوص سے فیصلہ نہیں کیا گیا تو برطانوی حکومت کی تاریخ میں یہ ایک نقطۂ انقلاب ہوگا۔ مجھے یقین ہے کہ میں صرف ہندوستانی مسلمانوں کے لئے نہیں۔ بلکہ سارے عالم کے مسلمانوں کی خاطر کہہ رہا ہوں اور تمام حلقہ ہائے غور و فکر اور ارباب عقل و دانش اور تمام انصاف پسند اور صلح کل دماغ اتفاق کریں گے کہ اگر میں یہ کہوں کہ برطانیہ عظمیٰ اپنے اعلانات، ارادے اور وعدوں کو ایفا نہ کر کے خود اپنی قبر آپ کھود رہا ہے ——— وہ تمام وعدے جو جنگ سے قبل اور جنگ کے بعد عربوں اور ایک طرح ساری دنیا سے کئے گئے ہیں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ بڑی حد تک جذبات مشتعل ہو گئے ہیں۔ اور حکومت برطانیہ نہایت بے باکی سے انسدادی تدابیر اور مخالف ردِ عمل پر کاربند رہ کر فلسطین کے عربوں کی رائے عامّہ کو نظر انداز کرتی جارہی ہے۔ ہندوستانی مسلمان اپنی ٹھوس جماعت اور قطعی امداد سے عربوں کے ساتھ ان کی دلیرانہ اور منصفانہ جدوجہد میں شریک ہو جائیں گے میں کل ہند مسلم لیگ کی جانب سے ان کے ارادوں کی کامیابی اور جرأت و ہمت کی ستائش میں پیام بھیج سکتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ کامیاب ہو جائیں گے۔

بھائی چارہ۔ ہندوستان کے ہر ضلع، ہر صوبہ اور ہر تعلقہ کے مسلمانوں کو متنبہ کر دینا چاہتا ہوں کہ اب ان کا اہم ترین فریضہ یہی ہے کہ عوام کی فلاح و بہبود کے لئے ایک تعمیری اور اصلاحی لائحۂ عمل مرتب کر کے مسلمانوں کی سیاسی معاشی اور معاشرتی ترقی کے وسائل اور ذرائع مہیا کریں۔ ملک اور صوبے کی فلاح و بہبود کی تعمیر و ترقی کے ہر پروگرام کی خاطر ہم کسی بھی جماعت اور گروہ سے تعاون کرنے میں پس و پیش نہیں کریں گے۔ میں ہر مرد، ہر عورت اور ہر بچے سے استدعا کرتا ہوں کہ وہ ایک مشترک مرکز کے اطراف جمع ہو کر مسلم لیگ کے پرچم تلے کھڑے ہو جائیں۔ جس قدر جلد ہو سکے مسلم لیگ کی مرکزی، صوبہ داری اور ضلع داری فہرستوں میں شریک ہو جانا چاہیئے۔ اپنے آپ کو منظم کر کے ٹھوس اور کامل اتحاد پیدا کیجئے۔ تربیت یافتہ منظم سپاہیوں کی طرح کیل کانٹے سے لیس ہو جائیے۔ اپنے اندر اجتماعی وفاداری خیر سگالی اور بھائی چارہ کے جذبات کو پرورش کیجئے۔ ایمانداری اور دیانت کے ساتھ ملک اور قوم کی خدمت کیجئے۔ کوئی فرد اور جماعت بے مشقت اور بغیر قربانیوں کے اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔ چند قوتیں آپ کو متاثر کریں گی تشدد اور ظلم آپ کو آپ کو ڈرائے گا مصائب و آلام سے دوچار ہونا پڑے گا لیکن آپ کو اس حلقۂ آتشین سے گزرنے کے لئے جو آپ کے مقابل کھڑا کر دیا گیا ہے ظلم و تشدد کا شکار ہونا پڑے گا۔ دھمکیوں اور مخالفتوں سے نبرد آزمائی کرنی ہوگی۔۔ ان موانعات پر چھا جانے کی خاطر ان تمام مصائب و تکالیف کو گلے لگا کر نہایت وفاداری اور راستواری کے ساتھ نصب العین

سے چمٹ رہ کر اپنی ماضی کی عظمت اور اپنی شاندار تاریخ کا پاس رکھتے ہوئے نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیا کی تاریخ میں اپنے مستقبل کو پُر وقار اور مہتم بالشان بنانے کے لئے زندہ رہنا ہوگا۔ ورنہ آپ جانتے ہیں کہ جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات ہے۔

تقدیر سے پہلے۔ ہندوستان کے ۸ کروڑ مسلمانوں کو گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے! ان کی قسمت و تقدیر خود ان کے ہاتھ میں ہے۔ وہ ایک باقاعدہ منظم ٹھوس، متحدہ قوت کی طرح ہر خطرے کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ اور اس متحدہ مخالفت اور مدافعت کی راہ میں آنے والے تمام موانعات پر فتح پا سکتے ہیں۔ آپ کے اندر ساحرانہ قوت ہے، اپنے عظیم اور وسیع فیصلوں پر جم جائیے —— یہ فیصلے درست، موزوں، قطعی اور مناسب ہیں —— ہر فیصلے سے پہلے سو بار غور کیجئے۔ غور و فکر کے ساتھ کوئی تصفیہ کر لینے کے بعد سب مل کر اس طرح ڈٹ جائیے کہ دنیا کی کوئی طاقت ہٹا نہ سکے۔ وفاداری استواری اور صداقت و خلوص کو اپنا شعار بنائیے۔ کامیابی آپ کی جلو میں ہو گی!

(سالانہ اجلاس کل ہند مسلم لیگ لکھنؤ —— ۳۷ء)

نقاب اٹھ جانے کے بعد

پٹنہ اور بہار کے ان تمام حضرات کا مشکور ہوں جنہوں نے مجھے آج یہ اعزاز بخشا ہے۔ میرے لئے یہ امر انتہائی اطمینان کا باعث ہے کہ بہار کے ہر گوشہ اور ملک کے ہر خطّہ سے مسلمانوں کی اکثریت جلسہ میں شریک ہے۔ میں ان تمام حضرات کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں اور ان تمام لوگوں کا بھی بے حد ممنون ہوں جنھوں نے جلسہ کو کامیاب بنانے کے لئے مشقت اٹھائی اتنا وسیع پنڈال بنایا اور شاندار انتظامات کئے۔

احرار - قابل توجہ مسائل کی تفصیل میں جانے سے قبل میں اپنے اس گہرے غم اور بے پایاں افسوس کا اظہار کروں گا جو ہمیں مولانا شوکت علی کی جدائی سے پہنچا۔ بلاشبہ مولانا شوکت علی بہت بڑے آدمی تھے ـــــ ایسے آدمی جنھوں نے اپنے اعتقادات کی خاطر بے دریغ قربانیاں کیں وہ میرے کالج کے ساتھی اور دوست تھے، وہ اپنی روش سے ایک انچ پیچھے نہ ہٹے مسلم لیگ کے مفاد اور مقاصد کے لئے انھوں نے بے مثال جوش و جذبے کا اظہار کیا۔ یہ صرف ایک شخصی نقصان نہیں ہے - بلکہ قوم کا ناقابل تلافی نقصان ہے جس نے سارے ملک کو ماتم کدہ بنا دیا۔

ایک اور مشہور شخصیت ـــــ مشہور عالم ہستی ـــــ جو ہم سے

بکھر گئی۔ وہ مصطفیٰ کمال ہے۔ ان کی موت ساری مسلم دُنیا کے سینہ پر ایک زبردست گھونسہ ہے۔ وہ مسلم دُنیا کے مجاہد تھے۔ ایران، افغانستان، مصر اور ترکی میں ذہنی انقلاب پیدا کر کے انھوں نے دنیا کو بتا دیا کہ مسلم قوم اب پھر اپنے نقطۂ عروج تک پہنچ رہی ہے۔ کیا ایسی بزرگ ہستیوں، نامور شخصیتوں اور بے مثال نمونوں کی موجودگی میں ہندوستان کے مسلمان تذبذب، کشمکش اور انتشار میں پھنسے رہ کر طوفان کی نذر ہو جائیں گے (آوازیں۔ "نہیں، ہرگز نہیں")

مسلم لیگ نے علامہ اقبال کی موت کا رنج و ملال بھی اٹھایا مسلم ہندوستان کے لئے واقعی ان کی موت ایک جانگسل صدمہ ہے وہ میرے اچھے دوست اور بہترین شاعر تھے۔ اسلام کے ساتھ ساتھ اُن کا نام بھی زندہ رہے گا۔ اُن کی اعلیٰ شاعری ہندوستانی مسلمانوں کے حقیقی جذبات کی ترجمانی ہے۔ اور یہ ہماری اور ہماری آئندہ ہزاروں پشتوں کے جذبات کی تحریک کا کام دے گی۔

زیرِ دام۔ میں اب مسلم لیگ کے موقف کو واضح کروں گا۔ صرف تین سال پہلے کی بات ہے کہ ہم نے بمبئی میں لیگ کی حکمتِ عملی اور نظام العمل مرتب کیا تھا۔ اُس وقت صورتِ حال یہ تھی کہ مسلمانوں کا ذہین اور روشن خیال طبقہ جو سیاسیات میں پیش پیش تھا۔ اس کی اکثریت ذاتی مفاد کے پیچھے اندھا دھند چلنے والی تھی، انھوں نے اپنی سہولت کے لحاظ سے اپنے مقامات کا انتخاب کیا۔ دفتریت یا پھر کوئی اور حلقہ ——— یہ حلقہ کانگریس ہے جنھوں نے دفتریت کو بہتر سمجھا وہ اسی میں شامل ہو گئے

دوسروں نے کانگریسی حلقوں کو ترجیح دی۔ ان کا مطمحِ نظر صرف اپنی بھلائی اور نفع اندوزی تھا۔ عوام اور میرے پیارے نوجوان سب کے سب کانگریس کے سنہری جھوٹ کا شکار ہو گئے تھے۔ نوجوان اصطلاحوں اور لفظوں سے مسحور ہونے لگے تھے۔ وہ کانگریس کے بچھائے ہوئے دام میں آسانی سے پھنس گئے! انہیں یقین دلایا گیا کہ کانگریس مادرِ وطن کی آزادی کے لئے جنگ کر رہی ہے۔ ان کی اپنی ایمانداری اور راست بازی نے دوسروں کو بھی اپنے رنگ میں دیکھنے پر مجبور کیا۔ انھیں باور کرایا گیا کہ سب سے اہم سوال معاشی مسئلہ ہے۔ اس لئے کانگریس کسانوں اور مزدوروں کی دال بھات کے لئے جد و جہد کر رہی ہے۔ ہمارے سادہ لوح اور نیک دل نوجوان آسانی سے کانگریس کے زیرِ دام آ گئے۔ جب ہم نے مداری کے اس تماشے کی اصلیت کو سمجھا اور پردے کے اندر جھانک کر دیکھا تو انھیں سمجھایا اور پھر مخالفت اور ہر جوابی اقدام سے ردِّ عمل شروع کر دیا۔

ڈھول کا پول۔ یہ ۱۹۳۶ء کا حال تھا۔ اب میں خوش ہوں کہ حالات بدل لئے۔ ایک بات نہایت وثوق کے ساتھ بتلائی جا سکتی ہے کہ کانگریس اعلیٰ کمان مسلمانوں کو اپنا آلہ کار بنانا چاہتی تھی۔ کانگریسی رہنماؤں کے نقشِ قدم پر چلنا ہی ان کا کام ہوتا۔ کانگریسی اقتدار تلے زندہ رہنا، کانگریس کے قدموں میں سانس لینا اور کانگریسی مقاصد کے لئے کام کرنا ہی ان کے فرائض ہوتے تھے۔ کانگریسی زعماء ان سے ایک غیر مشروط ہندو راج تسلیم کرانا چاہتے تھے۔ لیکن اب یہ پول کھل گیا۔ ہمارا

پاس کافی ثبوت ہیں۔ صدر استقبالیہ نے اپنے خطبہ میں بعض ثبوت پیش کئے ہیں۔ میں انھیں مبارکباد دیتا ہوں۔ انھوں نے ملک کے معاملات کو صداقت اور انصاف کے ساتھ ظاہر کر دیا۔ اور کانگریس کے مقاصد اور جدوجہد کا اصل منشا واضح کر دیا۔

آپ کو خبردار رہنا چاہیئے کہ اب کانگریس نے اپنے فاشسٹی طرز عمل سے ہندو مسلم اتحاد کی ہر امید کا گلا گھونٹ دیا ہے۔ کانگریس ہندوستانی مسلمانوں سے کسی قسم کی مصالحت نہیں چاہتی۔ صدر استقبالیہ نے جیسے اپنی تقریر میں کہا ہے کہ مسلمانوں کا یہ فرض ہو گا کہ وہ سمجھوتے کو اکثریت کا صدقہ سمجھیں۔ کانگریس کے حاکم اعلیٰ سارے ہندوستان کی قیادت اور رہنمائی کے زعم باطل کا شکار ہیں۔ اور دوسروں سے کہا جاتا ہے کہ وہ ان کے عطیہ کو اس طرح قبول کر لیں۔ جیسے یہ کسی با اقتدار حکومت کی طرف سے ہے! کانگریس اعلیٰ کمان نے اعلان کیا تھا کہ وہ مسلمانوں کی شکایات پر غور کریں گے! ور مسلمانوں کو یہ اعلان قبول کرنے کے لئے کہا گیا تھا لیکن آج میں صاف صاف کہہ دینا چاہتا ہوں کہ ہم کسی صدقہ اور عطیہ کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں مسلمان کسی رعایت کے خواہشمند نہیں ہیں ہم مسلمانوں نے تہیہ کر لیا ہے کہ ہم اپنے پورے حقوق منوا ہی لیں گے۔ مانگ کر نہیں، بلکہ آگے بڑھ کر اپنا حق حاصل کریں گے۔ اور صحیح معنی میں یہ صرف حقوق ہوں گے کوئی رعایت اور دین نہیں۔

ہندو دادا! میں نے پہلے بھی کہا ہے کہ اس ملک میں چار قوتیں سرگرم

پیکار ہیں۔ ایک تو حکومتِ برطانیہ، دوسرے والیانِ ریاست، تیسرے ہندو اور چوتھے مسلمان۔ کانگریسی صحافت من مانے ہنگامے اور شورو شر برپا کر سکتی ہے۔ صبح، دوپہر اور شام وہ اپنے اخبارات شائع کر سکتی ہے۔ کانگریسی لیڈر جس طرح چاہے پکار کر کہہ سکتے ہیں کہ کانگریس قومی ادارہ ہے۔ لیکن میں کہتا ہوں یہ صحیح نہیں ہے۔ کانگریس ایک ہندو جماعت کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ ایک صداقت ہے۔ ہندو لیڈر اچھی طرح واقف ہیں، چند مسلمانوں کی موجودگی سے ــــ گمراہ بر خود غلط اور ضمیر فروش ــــ یہ ہرگز ہرگز ایک قومی جماعت نہیں بن سکتی۔ میں ہر اس شخص کو دعوتِ مبارزت دیتا ہوں جو کانگریس کے ہندو جماعت ہونے کا منکر ہے۔ میں پوچھوں۔ کیا کانگریس مسلمانوں کی نمائندگی کرتی ہے؟ (آوازیں۔ نہیں، نہیں) میں پوچھتا ہوں کیا کانگریس عیسائیوں کی نمائندگی کرتی ہے؟ (آوازیں نہیں نہیں) میں دریافت کرتا ہوں آیا کانگریس ذیلی اقوام کی نیابت کرتی ہے؟ (آوازیں۔ نہیں، نہیں) میں سوال کرتا ہوں کیا کانگریس غیر برہمنوں کی نمائندہ ہے؟ (آوازیں۔ نہیں، نہیں)

میں کہہ سکتا ہوں کہ کانگریس پورے ہندوؤں کی بھی نمائندگی نہیں کرتی ہے۔ ہندو مہا سبھا کا رنگ کیا ہے؟ اعتدال پسندوں کا حال کیا ہے؟ یہ صحیح ہے کہ ملک کی بڑی جماعت کانگریس ہے، لیکن یہ اکثریت کے سوا کچھ نہیں ہے۔ یہ صرف خطابات سے مسحور رہی اقتدار کے نشہ میں چور ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے ایک شرابی نشہ کی

حالت میں اپنے ہر فعل کو درست سمجھتا اور اصرار کرتا ہے۔ لیکن اس طرح کے ادعاء سے کانگریس کے حقیقی کردار اور خصائل تو نہیں بدل سکتے۔ یہ بہرحال باقی ہے ——— ایک مکمل ہندو جماعت! طلسم کہن۔ یہ دعوے بعض اوقات بعض لوگوں کو تو ہموار کرسکتے ہیں لیکن وہ تمام لوگوں کو اپنا نہیں بنا سکتے اور مسلمان تو قطعی طور پر کبھی فریب نہیں کھائیں گے۔ ہم جان گیا، اور اب آپ بھی سمجھ گئے ہونگے اور اب تک جو ناواقف تھے وہ بھی حقیقت کو پا گئے ہوں گے، وہ لوگ جو بے ایمان اور بددیانت ہیں۔ ان کا ذکر ہی چھوڑیئے لیکن جو دراصل بہکائے گئے تھے، وہ یقیناً سمجھ گئے ہوں گے کہ کانگریس درحقیقت ایک ہندو جماعت ہے۔ یہ ہمارے ملک کی بدقسمتی ہے بے شک یہ خزینہ ہے کہ کانگریسی اعلیٰ کمان نے تہیّہ کرلیا ہے۔ اور ان کا ایمان ہے کہ وہ دوسری تمام قوموں کو کچل دیں گے۔ ان تمام کی تہذیب اور تمدن کو ڈھا کر صرف ہندو راج کی تعمیر کریں گے۔ وہ کہتے سوراج ہیں اور مراد لیتے ہیں ہندو راج۔ وہ قومی حکومت کا ادعا کرتے ہیں لیکن مفہوم ہوتا ہے ہندو حکومت لیکن حباب بہت جلد ٹوٹ گیا۔ جب اقتدار کی ہوس والوں کو نئے دستور کی رو سے چھ صوبوں میں اقتدار مل گیا تو بہت جلد ان کا طلسم پارہ پارہ ہوگیا اقتدار کے بعد کانگریس نے کیا کیا؟ قومیت کی تمام رعایتوں سے فائدہ اٹھا کر علی الاعلان بندے ماترم جاری کردیا یہ مسلمہ بات ہے کہ بندے ماترم قومی گیت نہیں ہے۔ پھر بھی یہ گایا جاتا ہے اور دوسروں پر

جبراً عائد کیا جاتا ہے۔ یہ صرف ان کی اپنی جماعتوں ہی میں نہیں گایا جاتا بلکہ اسکولوں اور مدارس میں مسلمان بچوں سے بھی پڑھوایا جاتا ہے قطع نظر اس سے کہ یہ گیت مسلمانوں کے مذہبی اصول کے منافی ہے مسلمان بچوں کو بندے ماترم قومی گیت کے طور پر جبراً پڑھایا جاتا ہے۔ یہ تو صرف مسلمانوں سے نفرت کی ایک مناجات ہے!

منافقت۔ کانگریس کے جھنڈے ہی کو دیکھئے! قطعی ہندوستان کا قومی نشان نہیں ہے۔ پھر بھی ہر آدمی کو اس کا احترام کرنا اور ہر سرکاری اور غیر سرکاری عمارت پر اس کی تنصیب ضروری ہے۔ اگر مسلمان اسے برا سمجھتے ہیں تو کوئی قباحت نہیں ہے! اس ترنگی جھنڈے کو قومی نشان سمجھنا اور مسلمانوں سے اس کا منوانا کس حد تک درست ہے۔

دوسری بات ہندی اور ہندوستانی ہے، میں صدر استقبالیہ کی تقریر کا حوالہ دینا نہیں چاہتا۔ کیا اب بھی اس میں کوئی شبہ باقی رہ گیا ہے کہ ہندی اور ہندوستانی کی مہم صرف اس لئے شروع کی گئی ہے کہ اردو کا صفایا کر دیا جائے (آوازیں۔ بے شک، بے شک)

واردھا اسکیم پر ہی غور کیجئے۔ جب اسکیم زیر غور تھی تو کیا مسلمانوں کا اعتماد حاصل کیا گیا تھا؟ ساری تجویز پر غور کیا گیا اور ساری تفصیلات مسلمانوں کی عدم موجودگی میں وضع کی گئیں۔ اس تجویز کو کس نے جنم دیا؟ کونسی ذہانت ہے اس کے پیچھے؟ مسٹر گاندھی، میں بے جھجک کہہ سکتا ہوں کہ مسٹر گاندھی ہی کانگریس کی اساس کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ کانگریس کو اپنے مقصد سے ہٹا کر صرف ہندو مذہب کی نشاۃ ثانیہ کا

آلۂ کار بنانے کی تمام تر ذمہ داری گاندھی پر ہے۔ ان کا دلی مقصد ہندو مت کی بقا، اور ہندو راج کا قیام ہے۔ اور وہ صرف اسی نقطۂ نگاہ سے کانگریس سے استفادہ کر رہے ہیں۔

اس تعلیمی تجویز پر مسلمان ردِ عمل نہ کرتے لیکن اسے سارے ملک کے لئے ضروری قرار دیا گیا تھا۔ آپ نے پیرپور رپورٹ دیکھی ہے۔ اس خصوص میں مزید کچھ کہنا تحصیل حاصل ہے۔ ہمارے موقف کو صرف ایک جملہ میں بیان کیا جا سکتا ہے۔ آج ہندو ذہنیت اور زاویۂ نظر کو نہایت احتیاط سے پروان چڑھایا جا رہا ہے۔ اور مسلمانوں کو ان کی اپنی روزانہ زندگی میں ہندو تصورات قبول کرنے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ کیا مسلمانوں نے کہیں اور کبھی اس قسم کی چیز پیدا کی۔ کیا انھوں نے کبھی مسلم کلچر کو ہندوؤں پر زبردستی مسلط کرنے کی کوشش کی؟ لطف یہ ہے کہ جب کبھی مسلمانوں نے ہندو تمدن کے خلاف ہلکی سی آواز بھی اٹھائی تو انھیں فرقہ پرست اور امن دشمن کے طعنے دیئے گئے۔ اور کانگریس کی مشنری کو ان کے خلاف چھوڑ دیا گیا۔ بہار کے واقعات پر ہی نظر ڈالئے۔ کانگریسی حکومت کے زیرِ اثر کون تمدنی دباؤ میں رہا؟ یہ مسلمان نہیں!

کس کے خلاف تادیبی کارروائی کی گئی۔ امتناعی احکام جاری کئے گئے اور کس کی گرفتاریاں عمل میں آئیں؟ یہ سب مسلمان ہیں، میں صرف ایک چھوٹی سی بات جاننا چاہتا ہوں، اور میں اپنی غلطی کی اصلاح کے لئے بھی تیار ہوں ——— ایک چھوٹی سی بات، گزشتہ اٹھارہ مہینوں میں کہاں مسلم لیگ اور مسلم انفرادیت نے ہندوؤں پر اپنی

تہذیب اور تمدن کو مسلط کرنے کی کوشش کی۔

ابھی بات۔ میں زیادہ دیر اس معاملہ پر بحث کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ جہاں تک کانگریس کا تعلق ہے۔ میں نے سب کچھ واضح کر دیا ہے۔ مسلمانوں کی حد تک میں یہ کہہ سکتا ہوں۔ اور مسلم لیگ کو مبارکباد دیتا ہوں کہ اس نے مسلمانوں میں مابہ الامتیاز قومی شعور پیدا کرنے میں بڑی حد تک کامیابی حاصل کی۔ میں بارہا کہہ چکا ہوں کہ پہلے مسلمانوں نے اپنا تمدن، اپنے اخلاق اور اپنا سیاسی شعور سب کچھ کھو دیا تھا۔ اور آپ نے ابھی تک اس سیاسی شعور، تمدن اور اخلاق کے حصول کی ذرہ بھر بھی کوشش نہیں کی۔ آپ صرف اس منزل تک پہنچے ہیں جہاں صرف بیداری کا پتہ ملتا ہے — آپ کے سیاسی شعور پر طنز کیا گیا ہے۔

آج آپ دیکھتے نہیں — کانگریسی دعوؤں کی صداقت اور بطلان کے قطع نظر — آپ دیکھتے ہیں کہ ہندوؤں نے زندگی کی اساسی خصوصیات اخلاق، تمدن اور سیاست کی بڑی منزل طے کر لی ہے اور سیاسی شعور ہی ان کا قومی شعور بن گیا ہے۔ بس یہی قوت ان کی پیٹھ پر ہے میں چاہتا ہوں کہ مسلمان بھی یہ قوت حاصل کر لیں۔ جب آپ کے اندر یہ چیز پیدا ہو جائے تو یقین مانئے کہ مجھے شک و شبہ کی ذرا بھی گنجائش نہ ہو گی کہ آپ خود اپنے مطالبہ کو تسلیم کرا لیں گے۔ سرشماری ایک اچھی چیز ہو سکتی ہے لیکن یاد رہے کہ اقوام کی قسمت کا یہی قطعی عنصر نہیں بن سکتی۔ آپ کو تو اب انفرادی اور اجتماعی قومیت کے تصور کو پروان چڑھانا چاہئیے۔ یہ بڑی اہم ہے۔ اور جیسا کہ میں نے کہا آپ ابھی اس کے

دائرے پر کھڑے ہیں۔ لیکن مجھے ہماری کامیابی کی قوی امیدیں ہیں۔ جو کچھ تبدیلی اور تغیر رونما ہوا۔ وہ واقعی ایک معجزہ ہے۔ مجھے تو خواب میں بھی یہ تصور نہیں تھا کہ آج ہم اس قدر حیرت انگیز مظاہرہ کر سکیں گے۔ پھر بھی ہم ابھی صرف اس مسئلہ کے سرحد پر کھڑے ہیں۔

مسئلۂ فلسطین۔ فوری مطالبات کی حد تک ہمیں مسئلۂ فلسطین کو مجلس موضوعات کے سامنے پیش کر دینا چاہیئے میں جانتا ہوں کہ فلسطین کے معاملہ میں مسلم جذبات کو کس قدر زبردست ٹھیس پہنچی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اپنی قومی آزادی کے لئے جنگ کرنے والے عربوں کو امداد کی ضرورت محسوس ہو تو مسلمان کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔ آپ جانتے ہیں کہ عربوں کے ساتھ کس قدر نازیبا سلوک کیا گیا۔ آزادی کی خاطر لڑنے والے جانبازوں کو مجرم قرار دے کر ان پر تعزیری دفعات لگائی گئیں۔ اپنے وطن کی مدافعت کرنے کے سبب انھیں سنگینوں کی نوکوں پر رکھا گیا۔ اور مارشل لا جاری کر دیا گیا۔ لیکن کوئی قوم اور کسی ملک کے باشندے جو ایک قوم کی حیثیت سے باعزت زندگی گزارنا چاہتے ہوں۔ اور وہ کوئی ایسی بڑی چیز جس کے لئے عرب بڑی جد وجہد کر رہے ہیں، بغیر کسی بڑی قربانی کے حاصل نہیں کر سکتے۔ ہماری تمام ہمدردیاں ان بہادروں کے ساتھ ہیں جو غاصبوں کے مقابلہ میں جنگِ آزادی لڑ رہے ہیں۔ وہ بھیانک ناانصافیوں کا شکار ہیں۔ ان مظالم کی غرض وغایت برطانوی سامراج کے سہارے کیسہ زر پر حکمرانی کرنے والی بین الاقوامی صیہونیت کا قیام ہے۔ یہی سوال ہماری توجہ کا محتاج ہے۔

ریاستیں اور شورش۔ دوسرا قابلِ غور مسئلہ ہندوستانی ریاستوں کی صورت حال ہے۔ اس خصوص میں آپ نے صدر استقبالیہ کا بیان سُن لیا ہے میں اس مشاہدے میں صرف ایک چیز کا اضافہ کروں گا۔ آپ باخبر ہیں کہ ہمیں ریاستی عوام کی تمناؤں سے پوری ہمدردی ہے۔ جہاں تک میں نے کانگریس کے مقاصد کو سمجھا ہے۔ ریاستی عوام میں ہیجان پیدا کرنے کا اصل منشاء وہ نہیں ہے کہ جو ہمارے سامنے پیش کیا جا رہا ہے میں صرف ایک سوال کروں گا۔ کیوں ریاستوں میں یہ سب شورش؟ آخر کیوں آریہ سماج اور مہاسبھا کے نام سے حیدر آباد میں ساری فتنہ پردازیوں کو بے لگام چھوڑ دیا گیا؟ میں کانگریس سے پوچھتا ہوں کہ وہ کشمیر میں کیا کر رہی ہے؟ آریہ سماجی، مہاسبھائی، کانگریسی قوم پرست اور کانگریسی صحافت کیوں آخر کشمیر کے معاملے میں خاموش ہے؟ صرف اس لئے کہ کشمیر ہندو ریاست ہے؟ یا صرف اس لئے کہ کشمیر کی اکثریت مسلمان ہے؟ ریاستی عوام کے بارے میں کانگریس کے اظہار تردد کے حقیقی معنی سمجھنے میں اب مجھے کوئی دشواری باقی نہ رہی۔ مسٹر سبھاش چندر بوس نے اپنی ایک تقریر میں کہا تھا کہ کانگریس ریاستی عوام سے ربط و اتحاد پیدا کرنا چاہتی ہے۔ میں پوچھ سکتا ہوں کہ آیا وہ صرف ہندوؤں سے ربط و اتحاد پیدا کرنا چاہتی ہے یا مسلمانوں سے بھی؟ مسلم لیگ اپنے موجودہ دستور کی رو سے ہندوستانی ریاستوں کے داخلی امور میں دخل نہیں دے سکتی لیکن میں واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اگر کانگریس مسلم ریاستوں یعنی حیدر آباد میں گھناؤنے مقاصد کے ساتھ اپنی مہم جاری رکھے تو

یقیناً مسلم لیگ کو بھی مداخلت کی کسی نئی تجویز پر غور کرنا ہوگا۔ ہم اپنی مسلم برادری کو ہندو ریاستوں کے اندر اُن ظالموں کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑنا چاہتے۔ جو انھیں کچل دینا چاہتے ہیں۔

نقاب کے اندر ایک اور چیز مسئلۂ وفاق بھی ہماری توجہ کا محتاج ہے۔ کانگریس کو ہٹربونگ مچانے دو کہ وہ وفاق قبول نہیں کرے گی۔ لیکن میں آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ مجھے کانگریس کے قول و فعل پر اعتماد نہیں ہے۔ کانگریس اسی طرح اس میں شریک ہو جائے گی جیسے کہ وہ دستور کے صوبہ داری جز میں گھس پڑی تھی۔ سبھاش چندر بوس نے اپنے اعلان میں پُرزور طریقہ پر کہا کہ ایک کانگریسی انفرادی طور پر یہی کہہ سکتا ہے کہ تمام کانگریس نے تہیہ کر لیا ہے کہ وہ وفاق، اس کے قفل اسباب اور صندوق سے انکار کر دے گی۔ میں ایسے اعلانات پر یقین نہیں رکھتا۔ مجھے معلوم ہے کہ ایک اور کانگریسی لیڈر نے کہا کہ نظرِ ثانی اور ترمیم انھیں مطمئن کر سکتی ہے۔ اگر انتخابی اصول قبول کر لیا گیا تو کانگریس ہموار ہو جائے گی اور پھر ایک دوسرا لیڈر کہتا ہے اگر وفاقی اسکیم میں اس قدر تبدیلی ہو جائے کہ انھیں خودمختاری کا حق رہے تو البتہ یہ ناگوار اور ناقابل عمل تجویز قابل عمل بن سکتی اور گوارا کی جا سکتی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ کانگریسی زعماء کی ان تمام حرکتوں کے پیچھے ایک تصور ہے۔ وہ پھر ایک بار مسلمانوں کو دھوکا دینا چاہتے ہیں! میں ان لیڈروں سے کہہ دینا چاہتا ہوں کہ اب وہ کسی صورت مسلمانوں کو فریب نہیں دے سکتے۔ مسلمان اب تین سال قبل کے مسلمان نہیں۔ کانگریس کی تمامتر

سعی یہ رہی اور ہے کہ وہ اس فرسودہ اور مذموم دستور کے سہارے واضح اور غالب اکثریت کا لطف اٹھانا چاہتی ہے۔ اگر انھیں اکثریت حاصل ہو جائے تو وہ نہایت شوق سے وفاق قبول کر لیں گے۔ اور پھر وہ مسلمانوں کو کچلنے، ان کے تمدن کو برباد کرنے، اپنے تمدن کی تعمیر اور کانگریسی اقتدار کی گھناؤنی تجویز کی دھن پوری کرکے ایک فاسٹی نظام قائم کرنے کی کوشش کریں گے۔ اور ہندوستان میں اپنے نصب العین، ہندو راج کو قائم کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیں گے۔

قوم اور خدا۔ کانگریسی زعماء اپنے اُن تمام نشانوں سے واقف ہیں جنھیں وہ تاک رہے ہیں۔ سات صوبوں میں ان کی اکثریت ہے۔ اور یہاں کانگریسی راج ہے، صرف چار صوبے باقی رہ گئے ہیں، اور اب کانگریس کی مردار نگاہیں ان پر لگی ہوئی ہیں۔ کانگریسی لیڈر ہر وقت کہتے ہیں کہ ان صوبوں کی غیر کانگریسی حکومت باوجود اپنی اکثریت کے ڈگمگا رہی ہے، اور اب اس کے قدم اکھڑ رہے ہیں۔ کانگریسی زعماء کا خیال ہے کہ ان صوبوں کی وزارت مضبوط نہیں ہے۔ لیکن کانگریسی چالوں کو سمجھنا اب مشکل نہیں ہے۔ وہ تو اب ہر جگہ کانگریسی راج دیکھنا چاہتی ہے۔ میں نے شمال مغربی صوبے کے چند احباب سے گفتگو کی۔ مجھے بتایا گیا کہ ہمارے ہم مذہب ——— پٹھانوں کو باور کرایا گیا ہے کہ کانگریس عوام کی بہی خواہ ہے اور مسلم لیگ سامراج دوست اور سامراج کی معین و مددگار ہے! میں کہتا ہوں کہ اس سے زیادہ جھوٹ نہیں ہو سکتا کہ مسلم لیگ سامراج کی حمایتی ہے۔ مقننہ کے اندر اور مقننہ کے باہر

کوئی ایسی نظیر ملتی ہے کہ ہیں لنے سامراج کی حامی بھری۔ کیا مجھے سامراج دوست ثابت کرنے والی کسی چیز کا پتہ ملتا ہے (آوازیں۔ نہیں، نہیں) مجھے یقین ہے کہ اگر مسلمانوں میں پہلے چند ایسے لوگ تھے جو برطانی سامراج دوستی میں اپنی فلاح وبہبود مضمر سمجھتے تھے۔ لیکن اب ان کے خواب پریشان ہو گئے ہیں۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ اب مسلم لیگ کسی کی رفاقت کے لئے تیار نہیں ہے۔ لیکن اگر مسلمانوں کے مفاد کا معاملہ ہو تو وہ ابلیس کی بھی حلیف بن جائے گی۔

اس لئے نہیں کہ ہمیں سامراج سے محبت ہے۔ بلکہ سیاست میں تو شطرنج کی طرح ایک کو دوسرے کی چالوں پر نظر رکھنی پڑتی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ مسلمان اور مسلم لیگ صرف ایک دوست رکھتی ہے۔ اور وہ مسلم قوم ہے۔ ایک اور بالکل طاق جس سے مدد مانگتی ہے۔ وہ خدا ہے! ایک فریب۔ وفاق کے معاملہ میں کانگریس نہایت گہری چال چل رہی ہے۔ اگر کانگریس وفاقی عملہ پر قابو حاصل کر سکتی ہے تو وفاقی حکومت کے عطا کردہ بالواسطہ اور بلاواسطہ اختیارات کی مدد سے وہ بنگال میں فضل حق کی حکومت کو اور پنجاب میں سکندر حیات خان کی حکومت کو صفر تک گھٹا دے گی۔ اس طرح آخر میں کانگریس سات صوبوں میں اپنی قطعی اور غالب اکثریت کو خدا کی دین سمجھ کر راج کرے گی اور مسلم اقتدار کے باقی چار صوبوں کو بھی کانگریس اعلیٰ کمان سے وفاقی حیثیت قبول کرنی پڑے گی۔

اگر میں اپنے فیصلے میں صحیح ہوں تو کانگریس کا بالکل یہی منشا ہے

اس لئے مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں ہے کہ وفاق سے کانگریس کی مخالفت دیانتدارانہ نہیں ہے۔ یہ تو ایک فریب ہے! کیا مجھے اس کے لئے مطعون کیا جائے گا؟ کیا میں غلطی پر ہوں؟ (نہیں، نہیں)

نکتہ چینی۔ خواتین وحضرات! اب آپ کا اپنا فیصلہ خود آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ تمامتر ذمہ داریاں آپ ہی کی ہوں گی۔ آپ موت وحیات کی کشمکش سے دوچار ہیں۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر اپنی توجہ بٹنے نہ دیجئے۔ شخصیات اور ذاتیات کی ریشہ دوانیوں میں الجھ کر اپنی توانائیوں کو بے جا صرف نہ کیجئے۔ آج ہی صبح چند نوجوان مجھ سے لیگ کے چند کارکنوں کی شکایات کر رہے تھے۔ انھوں نے بعض لوگوں کے نام لے کر کہا کہ انھیں لیگ میں شامل نہ رہنا چاہیئے۔ نوجوانوں اور ساتھ ہی ساتھ دوسروں سے بھی کہہ دینا چاہتا ہوں کہ ابھی مسلم لیگ اس منزل پر نہیں ہے جہاں اُسے رہنا چاہیئے۔ مجھے اعتراف ہے کہ چند لوگ نہایت سچے خدمتگار ہیں لیکن مسلم لیگ تمام مسلمانوں کا ادارہ ہے۔ یہ آپ ہی کی تنظیم ہے۔ میں اپنے نوجوان دوستوں سے کہتا ہوں کہ اگر آپ مسلم لیگ کو پاک وصاف بنانے کے متمنی ہیں۔ اگر آپ مسلم لیگ کو انتہائی بلندی پر پہنچانا چاہتے ہیں۔ تو اس سے علیحدہ رہ کر نکتہ چینی اور عیب جوئی سے کوئی فائدہ نہیں، خود آگے بڑھئے، اس میں شامل ہو جایئے، جو فاسد ہے اسے نکال پھینکئے اور جو درست اور مناسب ہے اسے شامل کر لیجئے۔

فتح ونصرت۔ میں ہر ایک سے مسلم لیگ میں شریک ہونے کی اپیل کرتا ہوں یہ آپ ہی کی تنظیم ہے۔ کسی شخص کی ملک یا جاگیر نہیں ہے۔ یہ آپ کا ادارہ ہے

آپ جس طرح اور جس قسم کے چاہیں سنوار سکتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ میں نے وہ سب کچھ کہہ دیا ہے جو مجھے کہنا چاہیئے تھا۔ میں نے گزشتہ اکتوبر کو کراچی میں آخری تقریر کی تھی۔ اس موقع پر میں نے اپنے خیالات ظاہر کر دیئے تھے۔ میرے خیالات سے تقریباً ہر شخص اچھی طرح واقف ہو گیا ہے۔

حضرات! مجھے بے حد مسرت ہے کہ مسلمانوں میں کافی بیداری پھیل چکی ہے۔ انھوں نے حقیقت کو سمجھ لیا ہے اور یہ شاندار ابتدا ہے۔ اس شاندار ابتداء کا خیال رکھتے ہوئے آپ اپنی صلاحیتوں اور توانائیوں کو مہمیز دیں اور اپنی قوتوں کو ایک منظم فوج کی طرح آگے بڑھائیں تو یقیناً فتح اور نصرت آپ کے قدم چوم لے گی۔

(سالانہ اجلاس کل ہند مسلم لیگ پٹنہ — ۲۶، ۲۹ دسمبر ۱۹۳۸ء)

واحد حل

خواتین و حضرات :۔

ہم ۔ ہم آج پندرہ مہینے بعد جمع ہوئے ہیں۔ مسلم لیگ کا آخری جلسہ ۱۹۳۸ء میں بمقام پٹنہ منعقد ہوا تھا۔ اس کے بعد سے آج تک بہت سی نئی باتیں پیدا ہو گئیں۔ سب سے پہلے میں بتاؤں گا کہ اجلاس پٹنہ ۱۹۳۸ء کے بعد سے مسلم لیگ کو کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ آپ جانتے ہیں کہ ایک زبردست مہم ہمارے سپرد کی گئی تھی جو ابھی تک سر نہ ہوئی۔ اور یہ مہم ہندوستان بھر میں مسلم لیگ کی تنظیم تھی۔ اس خصوص میں ہم نے ان پندرہ مہینوں میں حیرت انگیز ترقی کی۔ مجھے یہ کہتے ہوئے مسرت ہوتی ہے کہ ہم نے ہر صوبے میں صوبہ داری مجلس قائم کر دی ہے۔ دوسری بات مقننہ کے ہر ذیلی انتخاب میں ہمیں اپنے مخالفین سے مقابلہ کرنا تھا۔ میں مبارکباد دیتا ہوں کہ مسلمانوں نے ان مقاصد میں بھی کافی جوش و خروش کا اظہار کیا۔ کوئی ایک ذیلی انتخاب بھی ایسا نہیں تھا کہ جس میں مخالفین نے مسلم لیگ کے امیدواروں کو جیت لیا ہو۔ یو۔پی کونسل کے آخری انتخاب میں تو مسلم لیگ سو فی صد کامیاب رہی۔ میں آپ کو مسلم لیگ کی ترقی تنظیم اور مشنری کی تفصیلات سنا کر پریشان کرنا نہیں چاہتا۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ

اب یہ ہمارے اندازوں سے زیادہ ترقی کر رہی ہے۔

نیا قدم۔ دوسری قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ ہم نے اجلاس پٹنہ میں ایک مجلس خواتین قائم کی تھی۔ یہ بڑی اہم بات تھی۔ کیونکہ میرا عقیدہ ہے کہ زندگی کے ہر میدان میں عورتوں کو تعاونِ عمل کا موقع دینا چاہیئے اور یہ ناگزیر ہے! عورتیں اپنے گھر کی چار دیواری میں پردے کے اندر رہ کر بہت کچھ کر سکتی ہیں۔ ہم نے اس کمیٹی کو محض اس لئے قائم کیا کہ وہ لیگ کی کارروائیوں اور جدوجہد میں زیادہ سے زیادہ ہمارا ہاتھ بٹائیں، اس مرکزی مجلس کے قیام کا منشا یہ ہے (۱) صوبہ واری اور ضلع واری مجالس کی تشکیل (۲) مسلم لیگ کے اراکین میں خواتین کی زیادہ سے زیادہ شرکت (۳) سارے ہندوستان کی مسلم خواتین میں سیاسی شعور پیدا کرنے کے لئے ایک وسیع پروپیگنڈے کی ضرورت، کیونکہ جب خواتین میں سیاسی شعور پیدا ہو جائے گا تو یاد رکھیئے پھر آپ کی اولاد کو بھی موانعات سے دوچار ہونا نہ پڑے گا (۴) مسلم معاشرت کی ترقی اور اصلاح کے لئے خواتین کی خصوصی تربیت۔ میں نہایت مسرت کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اس مرکزی مجلس نے اپنا کام نہایت شد و مد کے ساتھ شروع کر دیا ہے یہ ایک نہایت مفید اور مؤثر اقدام ہے۔ بلا شبہ جب ہم ان کی روداد دل کو دیکھتے ہیں تو واقعی ہمیں ان کی خدمات اور مساعی کا مشکور ہونا پڑتا ہے

جراٴت رندانہ۔ جنوری ۱۹۳۹ء میں ٹھیک اعلانِ جنگ کے بعد سے ہمیں بے شمار مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ ناگپور میں ودیا مندر سے مقابلہ رہا اور سارے ہندوستان میں وردھا اسکیم آگ پھیلی ہوئی تھی۔ کانگریسی

حکومت کے صوبوں میں ہمیں کانگریس کے نازیبا سلوک اور ظلم و ستم کا تختۂ مشق بننا پڑا۔ جے پور اور بھاؤنگر کی ہندو ریاستوں میں مسلمانوں کے ساتھ ناانصافیاں برتی گئیں اور ہمیں راج کوٹ اسٹیٹ کے فساد سے دوچار ہونا پڑا۔ راج کوٹ کا فساد کانگریس کا آزمائشی اقدام تھا جس نے ایک تہائی ہندوستان کو مبتلا کر دیا تھا۔ بہرحال جنوری ۱۹۳۹ء سے اعلانِ جنگ تک مسلم لیگ کو ملک کے اندر بے شمار فتنہ پردازیوں سے دوچار ہونا پڑا۔ اعلانِ جنگ سے قبل ہندوستانی مسلمانوں کو مرکزی حکومت میں وفاقی اسکیم کے نفاذ کا خطرہ لاحق تھا۔ ہم ان سازشوں کو بھی جانتے ہیں جو اُس وقت جاری تھیں۔ لیکن مسلم لیگ نہایت ثابت قدمی سے ہر ممکن طریقے سے روک رہی تھی۔ ہم نے محسوس کر لیا تھا کہ ہم اس خطرناک وفاقی حکومت کی تجویز کو جو قانون ۱۹۳۵ء سے تعلق رکھتی تھی، ہرگز قبول نہیں کریں گے۔ مجھے یقین ہے کہ ہم نے حکومت برطانیہ کو سمجھانے اور توجہ دلانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا کہ وہ مرکزی وفاقی حکومت کا خیال چھوڑ دے۔ اس چیز کو حکومتِ برطانیہ کے ذہن نشین کرانے میں مسلم لیگ نے بہت بڑا کام انجام دیا۔ آپ جانتے ہیں کہ انگریز بہت کٹر ہوتے ہیں۔ وہ بہت رجعت پسند ہیں۔ اگرچہ کہ وہ نہایت عیّار ہیں پھر بھی سمجھنے میں بہت دیر میں ہیں۔ جیسے اعلانِ جنگ کے بعد وائسرائے نے خود مسلم لیگ کی امداد چاہی یہی وقت تھا جبکہ انھوں نے مسلم لیگ کو ایک قوت تسلیم کر لیا۔ قابلِ غور بات تو یہ ہے کہ جنگ سے پہلے وائسرائے نے کبھی میرا خیال نہیں کیا تھا۔ اُس کے ذہن پر تو صرف گاندھی جی مسلط تھے

میں ایک عرصے تک مقننہ میں ایک اہم جماعت کا لیڈر رہ چکا تھا اور اس سے زیادہ اہم بات تو یہ ہے کہ آج مجھے بھی مرکزی مقننہ میں مسلم لیگ پارٹی کی قیادت کا اعزاز حاصل ہے۔ لیکن پہلے کبھی وائسرائے نے میرے متعلق نہیں سوچا تھا جب وائسرائے نے گاندھی جی کے ساتھ مجھے مدعو کیا تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی۔ میں سمجھ ہی نہ سکا کہ کیوں مجھے اس قدر جلدی یہ اعزاز بخشا گیا۔ لیکن پھر فوراً ہی میں صحیح نتیجہ پر پہنچ گیا کہ اس کا جواب صرف "کل ہند مسلم لیگ" ہے۔ جس کا میں صدر ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ کانگریس کے اعلیٰ کمان کے لئے یہ بہت بڑا صدمہ تھا۔ کیونکہ انھوں نے سارے ہندوستان کی نمائندگی کو دعوتِ مبارزت دیدی تھی مسٹر گاندھی کے برتاؤ سے صاف عیاں ہے کہ وہ ابھی تک اس صدمے سے سنبھلنے نہیں پائے۔ اس تمام تفصیل سے میرا منشا صرف آپ حضرات کو اپنی تنظیم کی اہمیت اور قدر و منزلت سے واقف کرانا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ کچھ کام نہیں بنتا بے جرأت رندانہ!

حیاتِ جاوید۔ لیکن ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ جو کچھ میں سن رہا ہوں اور جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں اس سے مجھے یقین ہو رہا ہے کہ مسلم ہندوستان اب باشعور ہو گیا ہے۔ اب وہ بیدار ہو گیا ہے۔ اور اب مسلم لیگ ایک ایسے منظم ادارے کی صورت اختیار کر چکی ہے کہ کوئی اسے دبا نہیں سکتا۔ اگرچہ ہندوؤں اور فرنگیوں کا جنون چالاک تھا پھر بھی وہ ملتِ بیضا کا گریبان چاک نہ کر سکے۔ کئی پیدا ہوں گے اور مر جائیں گے لیکن مسلم لیگ ہمیشہ زندہ رہے گی۔

اعلانِ جنگ کے بعد ہمارا موقف بالکل ایسا تھا کہ ہم کنوئیں اور خندق کے درمیان تھے۔ لیکن میں نہیں سمجھتا کہ اب بھی یہ خندق اور کنواں اپنی جگہ سے ہٹ گیا ہے۔ بہر حال یہ ہمارا مقام ہے ہم ہندوستان کی واضح اور قطعی آزادی چاہتے ہیں۔ لیکن یہ تمام ہندوستان کی آزادی ہو گی کسی خاص فرقے کی نہیں۔ کانگریسی سمجھوتے کی طرح مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کی غلامی اور بندگی نہ ہو گی۔

ذوقِ پرواز۔ ہندوستانی صورتِ حال، ہمارے اپنے گزشتہ تجربات اور بالخصوص کانگریسی دورِ حکومت کے ۲ ½ سالہ تلخ تجربات نے ہمیں بہت کچھ سکھا دیا ہے۔ اب ہم بہت محتاط ہو گئے ہیں۔ اب ہمیں دوسروں پر اعتماد باقی نہیں رہا۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ دانشمندی تو یہی ہے کہ کسی کو کسی پر اعتماد نہیں کرنا چاہیئے بعض مرتبہ ہمیں دوسروں پر بھروسہ کرنے کے لئے کہا گیا لیکن تجربے نے ہمیں بتا دیا کہ ہمارے اعتماد کو دھکا لگایا گیا۔ یقیناً عقلمندوں کے لئے یہ بہت بڑا سبق ہے کہ وہ اب ان لوگوں سے کوئی سروکار نہ رکھیں جنہوں نے ان کے اعتماد کو ڈھا دیا ہے۔ ہمیں کانگریس اعلیٰ کمان سے قطعاً ایسی توقع نہیں تھی جو اس نے اپنے دورِ حکومت میں پیش کی۔ مجھے تو یہ تصور بھی نہیں تھا کہ وہ اس قدر ذلیل اور اوچھے بن جائیں گے۔ مجھے یہ بھی یقین نہیں تھا کہ کانگریس اور برطانوی کارندوں میں اس قدر شریفانہ سمجھوتہ ہو جائے گا۔ ہم نے انھیں ذمہ داریوں کا احساس دلایا۔ اپنے اور دیگر اقلیتوں کے متعلق فرائض پر توجہ دلائی۔ لیکن ان ساری کوششوں کے باوجود ان کے کان پر جوں تک نہ رینگی

خوش قسمتی سے فضلِ ایزدی ہم پہ نازل ہوا۔ اور ان کا شریفانہ معاہدہ ٹوٹ گیا۔ خدا کا شکر ہے کہ کانگریس اپنے عہدوں سے دستبردار ہو گئی۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ لوگ اپنے استعفوں پر بے حد پچھتا رہے ہونگے دھمکیاں بے اثر رہ گئیں۔ یہ بہت اچھا ہوا۔ اس لئے میں تمام تر سنجیدگی کے ساتھ اپیل کرتا ہوں اور حکم دیتا ہوں کہ آپ اپنے آپ کو اس طرح منظم کر لیں کہ سوائے اپنی قوتِ بازو کے کسی پر بھروسہ نہ رہے یہی آپ کا محافظ ہے اور بہترین محافظ۔ اپنے آپ پر بھروسہ کرنے کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ دوسروں کو حقیر اور برا سمجھیں۔ اپنے حقوق اور مفاد کی حفاظت کے لئے ہمیں اپنے اندر اتنی طاقت پیدا کر لینی چاہیئے کہ ہم اپنی آپ مدافعت کر سکیں دوسروں کے سہارے اڑنے کے بجائے اپنے اندر قوتِ پرواز پیدا کیجئے۔ فقط ذوقِ پرواز! یہی تو میں کہنا چاہتا تھا۔

دیوانے کا خواب۔ اب آئندہ دستور کے لحاظ سے ہمارا کیا موقف ہوگا؟ جوں ہی حالات اجازت دیں یا پھر جنگ کے فوراً بعد ہندوستان کے آئندہ دستوری مسئلہ پہ ازسرِ نو نظرِ ثانی کی جائے گی اور قانون ۱۹۳۵ء ایک بارگی سارے ہندوستان میں نافذ ہو جائے گا۔ حکومتِ برطانیہ سے اعلانات کی پوچھ گچھ بے ہیں۔ ایقان نہیں ہے۔ اس طرح کے اعلانات کوئی معنی نہیں رکھتے۔ اعلان کے مطالبہ سے ہم کبھی حکومت برطانیہ کو اس ملک سے نکال باہر کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ جب کبھی کانگریس نے وائسرائے سے اعلانات کے بارے میں پوچھا تو وائسرائے نے جواب دیا "میں نے اعلان کر دیا ہے"۔

کانگریس نے کہا "نہیں، نہیں، ہم اس طرح کا اعلان چاہتے ہیں، ابھی اور اسی وقت ہندوستان کی فوری آزادی اور خودمختاری کے اعلان کے ساتھ ایک ایسی مجلس دستورساز کے ذریعے جو بالغ رائے دہی کے اصول پر تشکیل دی جائے گی۔ ہمیں اپنے دستور کے ترتیب دینے کا حق بھی دیدینا چاہیئے۔ یہ مجلس اقلیتوں کے مفادات کی تشفی بھی کرسکے گی۔" مسٹر گاندھی کہتے ہیں کہ اگر اقلیتیں مطمئن نہ ہوں تو وہ ایک اعلیٰ کردار اور غیر جانب دار ثالث کے فیصلے پر اتفاق کریں گے۔

اس تجویز کے ناممکن العمل پہلو کے علاوہ اور تاریخی حقیقت کے سوا دستوری اعتبار سے بھی تو کسی حکمران قوت سے دستوری مجلس کے حق میں دست برداری کی خواہش ایک حماقت ہے —— ان سب سے قطع نظر، فرض کیجئے اگر ہم رائے دہی کی تجویز سے جس کی بنا پر مجلس منتخب ہوگی اتفاق نہ کریں۔ یا پھر ہماری مسلم نمائندہ جماعت ہندو اکثریت نہ چاہے تو کیا ہوگا؟ کہا جاتا ہے کہ ہمیں اس دستور کی تمام ترتیب میں سوائے اُن اجزا کے جو اقلیت کے تحفظ کا یقین نہ دلائیں، متفق نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ گویا ہمیں صرف اس قدر حق دیا گیا ہے کہ ہم اقلیتوں کے حقوق ومفاد کے بارے میں اتفاق کرنے اور نہ کرنے کے مجاز ہیں اور ہمیں یہ بھی اعزاز بخشا گیا کہ ہم اپنے علیحدہ انتخابی حلقوں سے اپنے علیحدہ نمائندے بھیج سکتے ہیں۔ اس تجویز کی بنیاد میں صرف یہ وہم کام کررہا ہے کہ جوں ہی دستور کا نفاذ ہوگا۔ برطانوی جنگل ڈھیلی پڑجائے گی۔ ورنہ اور کوئی بات نہیں ہے۔ بے شک مسٹر گاندھی کہتے ہیں کہ برطانوی

سامراج کی دستبرداری کا فیصلہ دستور کرے گا۔ اور اگر ایسا ہو جائے تو کس حد تک، بہ الفاظِ دیگر ان کی ساری تجویز کا مفہوم یہ ہے :۔

پہلے مجھے اعلان دیدو کہ ہم آزاد اور خود مختار قوم ہیں۔ تب میں فیصلہ کروں گا کہ تمہیں کیا واپس دینا چاہئیے؟ کیا اس طرح کی گفتگو سے مسٹر گاندھی واقعی ہندوستان کی مکمل آزادی چاہتے ہیں؟

لیکن برطانی سامراج غائب ہو جائے یا نہ ہو جائے۔ مگر یہ تو وسیع اختیارات کو عوام میں منتقل کر دینا چاہتی ہے۔ پہلی چیز تو یہ کہ اگر مسلمان مجلس دستور کی اکثریت سے اتفاق نہ کریں تو ایسی صورت میں ثالث کون مقرر کرے گا؟ اور فرض کرو کہ ایسے متفقہ ثالث کا امکان ہو جائے اور فیصلہ سنا دیا جائے۔ تو ذرا مجھے یہ بتائیے کہ کون یہ جانچنے والا ہوگا کہ آیا یہ فیصلہ حسب شرائط طے کیا گیا ہے؟ اور کون یہ دیکھے گا کہ پوری طرح روبہ عمل لایا گیا ہے؟ کیونکہ ہم سے تو یہ کہا گیا ہے کہ برطانیہ اپنے اقتدار سے دست بردار ہو جائے گا۔ تو پھر کونسی قوت ہو گی جو اس پر ڈیا گرڈالے گی؟ پھر وہی جواب ملتا ہے ـــــ ہندو اکثریت ـــــ لیکن یہ برطانی سنگینوں کی مدد سے ہوگا یا مسٹر گاندھی کا "اہمسا" اسے پورا کرے گا؟ کیا ہم ان پر مزید اعتماد کر سکتے ہیں۔

کیا آپ خیال کر سکتے ہیں کہ ان خصوصیات کا مسئلہ اور یہ اشرتی معاہدہ جس پر ہندوستان کے آئندہ دستور کی بنیاد رکھی جائے گی۔ اور جو ۹ کروڑ مسلمانوں کے مفاد کو متاثر کرے گا۔ وہ ایک ثالثی فیصلے کے

ذریعہ طے پاسکتا ہے؟ ابھی تک کانگریس کی یہی تجویز ہے۔ خواب ہے دیوانے کا!

انوکھی منطق۔ مسٹر گاندھی کے حالیہ بیان پر کچھ کہنے سے پیشتر میں کانگریس کے دوسرے لیڈروں کی رائے اور اعلانات پر روشنی ڈالوں گا۔۔۔
ہر شخص اپنا راگ الاپتا ہے۔ مسٹر راج گوپال اچاریہ سابق وزیر مدراس کہتے ہیں "مشترک حلقۂ انتخاب ہندو مسلم اتحاد کے لئے اکسیر ہے"۔ یہ ہے کانگریس کے بہت بڑے ڈاکٹر کا نسخہ (قہقہے) دوسری طرف بابو راجندر پرشاد نے چند ہی روز پہلے کہا "او ہ مسلمان اس سے زیادہ اور کیا چاہتے ہیں"۔ میں ان کے خیالات پڑھ کر سناؤں گا۔ مسئلۂ اقلیت کے بارے میں وہ کہتے ہیں:۔ "اگر برطانیہ ہمارے حق خود ارادیت کو تسلیم کر لے تو یقیناً سارے اختلافات ختم ہو جائیں گے"۔ ہمارے اختلافات کیونکر مٹ جائیں گے؟ انھوں نے اس خصوص میں کچھ شرح وبسط سے کام نہیں لیا۔

لیکن جب تک برطانیہ باقی ہے اور اقتدار قائم ہے اختلافات زندہ رہیں گے۔ کانگریس نے واضح کر دیا ہے کہ آئندہ دستور صرف کانگریس تنہا مرتب نہیں کرے گی۔ بلکہ اس میں تمام سیاسی جماعتوں اور مذہبی حلقوں کے نمائندے شریک رہیں گے۔ کانگریس ذرا اور آگے نکل گئی اور کہہ اٹھی کہ اقلیتیں اپنے نمائندے علیحدہ انتخابی حلقوں سے بھیج سکتی ہیں۔ اگرچہ کانگریس اس علیحدہ انتخاب کو معیوب سمجھتی ہے۔ یہ جماعت بلاتخصیص مذہب و سیاست ملک کے تمام لوگوں کی

نمائندہ ہو گی جو ملک کے آئندہ دستور کا فیصلہ کرے گی۔ کسی جماعت اور گروہ کا نہیں!! اقلیتوں کے لئے اس سے بہتر اور کیا ضمانت ہو سکتی ہے؟

اس طرح بابو راجندر پرشاد کے بیان کی بموجب اسمبلی میں داخل ہوتے وقت ہم اپنے تمام سیاسی تعلقات کو جھٹک دیں گے۔ مذہبی اور دیگر تمام اختلافات سے الگ ہو جائیں گے۔ یہی سب کچھ ۱۸۔ مارچ ۱۹۴۶ء کو بابو راجندر پرشاد نے کہا۔ اور مسٹر گاندھی نے ۲۰۔ مارچ ۱۹۴۶ء کو کیا کہا۔ وہ کہتے ہیں:۔

"میرے نزدیک ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی، پارسی اور ہریجن سب برابر ہیں، میں ہرزہ سرائی نہیں کرنا چاہتا" ——— لیکن میں سمجھتا ہوں کہ وہ "نکمی" باتیں کرتے ہیں ——— "قائدِ اعظم کے بارے میں ہرزہ سرائی نہیں کر سکتا۔ وہ میرے بھائی ہیں"۔

فرق صرف اسی قدر ہے کہ بھائی گاندھی تین ووٹ کے مالک ہیں اور میرے پاس صرف ایک ووٹ ہے! (قہقہے)

"بے شک۔ مجھے بے حد مسرت ہو گی اگر وہ مجھے قبول کر لیں گے"۔

"میں نہیں سمجھتا کہ درحقیقت اس "تمنا" کا مطلب کیا ہے؟"

"ایک وقت تھا جب میں کہہ سکتا تھا کہ کوئی مسلمان ایسا نہیں تھا جسے مجھ پر اعتماد نہ ہو۔ لیکن یہ بدقسمتی ہے کہ آج معاملہ برعکس ہے"۔

کیوں آج انھوں نے اعتماد کھو دیا؟ کیا میں پوچھ سکتا ہوں؟

"میں وہ سب کچھ تو پڑھ نہیں سکتا جو اردو اخبارات میں شائع ہوتا ہے۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ مجھے گالیاں دی جاتی ہیں۔ مجھے ذرا بھی رنج

نہیں ہے۔ آج بھی مجھے یقین ہے کہ ہندو مسلم اتحاد کے بغیر سوراج نہیں مل سکتا۔"

گزشتہ بیس برس سے مسٹر گاندھی برابر یہی رٹ لگائے جا رہے ہیں! کتنی انوکھی منطق ہے!

"شاید آپ پوچھیں کہ میں کیوں لڑائی کرتا ہوں؟ میں صرف اس لئے یہ سب کچھ کرتا ہوں کہ یہ دستوری مجلس کے لئے ایک طرح کی جنگ ہوگی۔" برہمن کا طلسم۔ وہ برطانیہ سے لڑ رہے ہیں، لیکن میں کانگریس اور مسٹر گاندھی کو یہ بتا سکتا ہوں کہ وہ ایک ایسی مجلس دستور ساز کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں جو مسلمانوں کے لئے ناقابل قبول ہے۔ اور اس کے بارے میں مسلمانوں کا خیال ہے اس کا مطلب ۳:۱ ہے۔ مسلمان تو یہ بھی کہتے ہیں کہ سر شماری سے تو مسلمان کبھی کسی ایسے سمجھوتہ اور اتفاق کے قابل نہ ہوں گے جس کا تعلق دل سے ہو اور جو دوستوں کی طرح گھل مل کر کام کرنے پر آمادہ کرے۔ اس لئے مجلس دستور سازہ کا تصور دوسرے تمام اعتراضات کے قطع نظر اس لحاظ سے بھی قابلِ اعتراض ہے۔ لیکن وہ تو مجلس دستور ساز کے لئے کھڑے ہیں۔ مسلمانوں سے انھیں کوئی سروکار نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں:۔

"میں اس لئے سب کچھ کر رہا ہوں کہ مجلس دستور ساز کے لئے ایک طرح کی لڑائی ہے۔ اگر مسلمان جو مجلس دستور ساز میں آجائیں۔"

الفاظ پر غور کیجئے "جو مسلم رائے سے مجلس میں آجائیں"۔ پہلے تو وہ ہمیں اسمبلی میں آنے پر مجبور کر رہے ہیں ——— اور پھر کہتے ہیں "اعلان کر دو کہ ہندو اور مسلمانوں میں کوئی چیز مشترک نہیں ہے۔ تب میں تنہا

ساری امیدیں چھوڑ دوں گا۔ پھر بھی میں ان سے اتفاق کر لوں گا۔ کیونکہ وہ قرآن پڑھتے ہیں، اور میں نے بھی اس مقدس صحیفے کا کچھ مطالعہ کیا ہے (قہقہے)

وہ صرف مسلمانوں کا زاویۂ نگاہ معلوم کرنے کے لئے مجلس دستور ساز چاہتے ہیں۔ اگر مسلمان متفق نہ ہوں تو وہ ساری امیدیں چھوڑ دیں گے لیکن پھر بھی وہ ہم سے اتفاق کر لیں گے! (قہقہے)

خواتین و حضرات! میں پوچھتا ہوں کیا حقیقی خواہش کے اظہار کا یہی طریقہ ہے؟ اگر واقعی انھیں مسلمانوں سے مصالحت کی دلی تمنا ہے تو کیوں مسٹر گاندھی بھی متفق نہیں ہو جاتے؟ میں نے کئی مرتبہ کہا کہا اور پھر ایک بار مرکز سے دہراتا ہوں کہ مسٹر گاندھی ایمانداری کیساتھ کیوں اعتراف نہیں کر لیتے کہ کانگریس صرف ہندو جماعت ہے۔ اور وہ ہندوؤں کے سوا کسی اور کی نمائندہ نہیں ہے؟ وہ صرف ہندو اقتدار چاہتی ہے، کیوں مسٹر گاندھی فخر کے ساتھ یہ نہیں کہہ دیتے "میں ہندو ہوں اور کانگریس کی حمایت میں پوری ہندو قوم ہے۔"

میں اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہوئے ہرگز نہیں شرماتا (تالیاں) میں حق کہہ رہا ہوں اور مجھے یقین ہے۔ توقع ہے کہ آج ایک اندھا آدمی بھی یہ سوچ اور سمجھ سکتا ہے کہ مسلم لیگ سارے مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے، پھر کیوں یہ تمام فتنہ انگیزیاں؟ پھر کیوں انگریزوں کو مسلمانوں کے خلاف اکسانے کے لئے یہ ہتھکنڈے؟ عدم تعاون کا اعلان کیوں؟ سیول نافرمانی کی دھمکی کیوں؟ اور کیوں مجلس دستور ساز کے لئے لڑائی؟ صرف مسلمانوں کا عندیہ معلوم کرنے کیلئے؟ کیوں بے جھجک ایک ہندو لیڈر کی

حیثیت سے سامنے نہیں آتے اور مجھے فخر کے ساتھ مسلم نمائندے کی حیثیت سے ملنے کا موقع نہیں دیتے ؟

مجھے کانگریس کے بارے میں بس اسی قدر کہنا تھا کہ وہ ایک کامل ہندو اقتدار چاہتی ہے ؟

ہمارے مطالبات۔ جہاں تک برطانی حکومت کا تعلق ہے، آپ جانتے ہیں کہ ہمارے مطالبات ابھی تک شریک نہیں کئے گئے۔ ہم نے اکثر نکات پر تیقنات کے بارے میں پوچھ گچھ کی اور بہرحال ہم ایک نقطے پر آگے بڑھے۔ آپ کو یاد ہے کہ ہمارا مطالبہ یہی تھا کہ قانون ۱۹۳۵ء سے قطع نظر ہندوستان کے آئندہ دستوری مسئلہ کی پوری نظر ثانی کی جائے۔ اس کے جواب میں ہز مجسٹی کی حکومت کے بااختیار نمائندے کی حیثیت سے وائسرائے نے کہا ـــــ میں اسے دہرا دوں ـــــ میں اپنے الفاظ میں نہیں بیان کروں گا۔ ۲۳۔ دسمبر کو ہمارے پاس یہ جواب بھیجا گیا تھا۔ "آپ کے پہلے سوال کے جواب میں صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ میں نے ملک معظم کی حکومت سے منظوری کی توقع پر گزشتہ ۱۳۔ اکتوبر کو جو اعلان کیا تھا وہ خارج نہیں ہوسکتا"۔ الفاظ پر غور کیجئے۔ "خارج نہیں ہوسکتا" ـــــ "چاہے قانون ۳۵ء کا کوئی جزو ہو۔ خواہ اس منصوبے اور حکمت عملی کا جس پر اس کی بنیاد رکھی گئی"۔

دوسرے معاملات کی حد تک بھی ہم اب تک مطالبات کر رہے ہیں۔ ہمارے بعض اہم فقرات یہ ہیں (۱) ملک کے آئندہ دستوری مسئلہ کے بارے میں ہز مجسٹی کی حکومت ہماری مرضی و منشاء کے بغیر کوئی اعلان

نہیں کرے گی۔ اور نہ کوئی جماعت ہماری عدم موجودگی میں کسی مسئلہ کا تصفیہ کرنے کی مجاز ہو گی۔ تاوقتیکہ وہ ہماری رضامندی اور منظوری حاصل نہ کرلے۔ اب معلوم یہ کرنا ہے کہ آیا حکومتِ برطانیہ اپنی دانست میں ہمیں وہ تیقنات دینا چاہتی ہے یا نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ابھی تک وہ یہ سمجھتی ہے کہ ہمارا مطالبہ نہایت واضح اور مبنی برانصاف ہے کہ ہم ۹ کروڑ مسلمانوں کی قسمت و تقدیر کا فیصلہ کسی اور منصف کے ہاتھوں نہیں سونپا جا سکتا۔ ہم اور صرف ہم خود ہی اس کا فیصلہ کرنا چاہتے ہیں، یقیناً یہ واجبی مطالبہ ہے، ہم ہرگز یہ نہیں چاہتے کہ حکومت برطانیہ ہم پر کوئی ایسا دستور عائد کر دے جس سے ہمیں اتفاق نہ ہو، اس لئے حکومتِ برطانیہ کو ہمارا بہترین مشورہ یہی ہے کہ وہ مسلمانوں کو تیقن دلائے اور مکمل امن اور اعتماد کی ضمانت دے کر ان کی رفاقت حاصل کرلے۔ لیکن وہ یہ کریں گے بھی یا نہیں؟ بہرحال ہمیں اپنی قوت بازو پر بھروسہ کرنا چاہیئے، میں پھر اس مرکز سے واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اگر ہماری رضامندی اور توثیق کے بغیر کوئی اعلان ہو جائے اور کوئی تصفیہ طے پائے تو ہندوستان کے مسلمان احتجاج کریں گے اور یہ کوئی غلطی نہ ہو گی۔

دوسری چیز فلسطین سے متعلق تھی۔ ہم سے کہا گیا تھا کہ "کوشش کی جا رہی ہے اور بے حد کوشش کی جا رہی ہے کہ عربوں سے مناسب قومی مطالبات کے ساتھ مصالحت کر لی جائے"۔ بے حد کوشش، پُر خلوص کوشش اور بہترین مساعی سے ہم مطمئن نہ ہو سکے (قہقہے) ہم

ہم چاہتے ہیں کہ حکومت برطانیہ عربوں کے مطالبات پورے کر دے (تالیاں)

ایک اور مطالبہ افواج کے بیرونِ ہند بھیجنے سے متعلق تھا۔ اس خصوص میں کچھ غلط فہمی ہو گئی ہے۔ ہم نے اپنا موقف واضح کر دیا ہے کہ ہم نے کوئی ارادہ نہیں کیا ہے۔ دراصل زبان اس کا فیصلہ نہیں کر سکتی۔ اگر کوئی غلط فہمی اور غلط تصور ہے تو یہی کہ ہماری ہندوستانی فوجوں کو ہمارے ملک ہی کی مدافعت کے لئے پوری طرح استعمال کیا جائے، حالانکہ ہم نے حکومت برطانیہ سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ ہندوستانی افواج کو کسی اسلامی حکومت اور اقتدار کے خلاف نہ استعمال کیا جائے (ہیر، ہیر) ہم توقع کرتے ہیں کہ حکومت برطانیہ آئندہ موقف کو واضح کر کے ہمیں مطمئن کر دے گی۔

قوم ہے۔ حکومت برطانیہ کے موقف سے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ مجلس عاملہ کے آخری اجلاس نے اپنی ۳۔ فبروری کی قرارداد کی تفصیلات سے متعلق وائسرائے کے خط مؤرخہ ۲۳۔ دسمبر پر انھیں دوبارہ غور کرنے کے لئے کہا اور ہمیں اطلاع ملی ہے کہ وہ نہایت احتیاط سے اس پر غور کر رہے ہیں۔

خواتین و حضرات! یہ ہے وہ مقام جہاں ہم جنگ کے بعد سے ۳۔ فبروری تک کھڑے ہیں۔ جہاں تک ہمارے داخلی موقف کا تعلق ہے ہم ہر وقت غور کرتے رہے اور آپ جانتے ہیں کہ ہندوستان کے آئندہ دستوری مسئلہ سے متعلق مختلف تجاویز مختلف ماہر دستور سازوں کی طرف سے مرتب کر کے بھیجی گئیں۔ اور ہم نے بھی اب تک کی تمام تجاویز پر

غور کرنے کے لئے ایک ذیلی کمیٹی بنائی ہے۔ لیکن بات ہے بہت واضح اور کھلی ہوئی۔ غلط بیانی اور اوچھے تصور کی بناء پر ہمیشہ مسلمانوں کو اقلیت شمار کیا گیا۔ بے شک اس غلط فہمی نے اپنا رنگ اتنا گہرا جمایا کہ آج اس کے نقوش کھرچ دینے میں دشواریاں پیش آ رہی ہیں مسلمان اقلیت نہیں ہیں، وہ ایک قوم ہیں۔ قومیت کی ہر جامع اور مستند تعریف مسلمانوں کو ایک قوم ماننے پر مجبور ہے، برطانیہ اور کانگریس اسی بنیاد پر آگے بڑھے۔ "تم بہرحال ایک اقلیت ہو، تم کیا چاہتے ہو؟" اور بابو راجندر پرشاد نے کہا "اقلیت اور کیا زیادہ چاہتی ہے؟" لیکن یقیناً مسلمان اقلیت نہیں ہیں برطانوی سامراج کے ہندوستانی نقشہ ہی کو دیکھیے۔ ملک کے بیشتر حصوں میں مسلم اکثریت آباد ہے —— بنگال، پنجاب، صوبہ سرحد، سندھ، اور بلوچستان!

تیرنیم کش۔ ہندو مسلم باہمی مسئلہ کا بہترین حل کیا ہے؟ ہم غور کرتے رہے اور جیسا کہ میں نے کہا ہے مختلف تجاویز پر غور کرنے کے لئے ایک کمیٹی بنائی گئی ہے۔ اس آخری دستوری تجویز کے بارے میں جو بھی ہو، لیکن میں اپنے نقاطِ نظر کو واضح کر دوں گا اور میں جو کچھ آپ کے سامنے پیش کرنے والا ہوں اسے بطور تصدیق آپ کو پڑھ کر سناؤں گا۔ یہ سی۔ آر۔ داس کے نام لالہ لاجپت رائے کا ایک خط ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ چودہ یا پندرہ سال پیشتر لکھا گیا تھا۔ اور یہ خط اندرا پرکاش کی ایک مطبوعہ کتاب میں شامل کیا گیا جس کی وجہ سے یہ روشنی میں آ گیا۔ لالہ لاجپت رائے جیسے گہرے سیاس اور کٹر مہاسبھائی نے لکھا ہے۔ اس خط کو سنانے سے

پہلے میں ذرا یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ اس خط سے کیا واضح ہوتا ہے! اس کا مطلب تو یہی ہے کہ آپ ہندومت کے دائرے سے خارج نہیں ہو سکتے اگر آپ ہندو ہیں (قہقہے) سیاست میں لفظ "قوم پرست" جیسے مداری کا کھیل بن گیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:۔

"عرصے سے ایک چیز مجھے تکلیف دے رہی ہے میں چاہتا ہوں۔ کہ آپ غور کریں! اور یہ قابلِ غور مسئلہ ہندو مسلم اتحاد ہے۔ گزشتہ چھ سال سے میں نے اپنا سارا وقت اسلامی تاریخ اور اسلامی قانون کے مطالعہ کی نذر کر دیا۔ اور میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ غیر ممکن اور ناقابلِ عمل ہی تحریکِ عدمِ تعاون میں مسلمانوں کے خلوص کو پیش نظر رکھتے ہوئے میں سمجھتا ہوں کہ ان کا مذہب اس طرح کی چیزوں کے لئے کوئی مؤثر قانون رکھتا ہے۔

آپ حکیم اجمل خاں اور ڈاکٹر کچلو کی اس گفتگو کو یاد کیجیے جو میں نے کلکتہ میں دہرائی تھی۔ ہندوستان میں حکیم اجمل خاں سے زیادہ اچھا مسلمان کوئی نہیں۔ لیکن کیا کوئی مسلمان لیڈر قرآن سے روگردانی کر سکتا ہے؟ صرف میں سمجھتا ہوں کہ میں نے اسلامی قانون کا غلط مطالعہ کیا"۔

میں کہتا ہوں انھوں نے بالکل صحیح مطالعہ کیا (قہقہے)

"اور کوئی چیز مجھے اپنے خیالات سے نجات نہیں دلا سکتی۔ لیکن اگر یہ صحیح ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک بار ہم انگریزوں کے خلاف تو متحد ہو کر کھڑے رہ سکتے ہیں۔ لیکن ہندوستان میں برطانی طرز حکومت کرنے کے لئے ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا۔ اور جمہوری طرز حکومت کے لئے تو قطعی ناممکن ہے"۔

خواتین وحضرات! جب لالہ لاجپت رائے نے کہا کہ ہم اس ملک میں پارلیمانی جمہوری طرز حکومت قائم نہیں کر سکتے تو یہ سب صحیح تھا لیکن جب میں نے اٹھارہ ماہ قبل اسی حقیقت کو پیش کیا تو چاروں طرف سے لعن طعن اور تنقیدوں کی بوچھار شروع ہو گئی تھی۔ مگر لالہ لاجپت رائے نے پندرہ سال پیشتر کہا کہ ہم ایسا نہیں کر سکتے یعنی ہندوستان میں جمہوری طرز کی حکومت قائم نہیں کر سکتے۔ آخر کوئی علاج ہے؟ کانگریس کی دانست میں تو صرف یہی علاج ہے کہ ہمیں اقلیت کی حیثیت سے اکثریت کا محکوم رکھا جائے۔ لالہ لاجپت رائے مزید کہتے ہیں "تو پھر علاج کیا ہے؟ میں سات کروڑ مسلمانوں سے خائف نہیں ہوں، لیکن میرا خیال ہے کہ ہندوستان کے سات کروڑ مسلمان افغانستان، سرحدی غول، وسط ایشیا، عرب، عراق اور ترکی سے اتحاد پیدا کر کے زبردست قوت اور ناقابلِ مقاومت بن جائیں گے۔" (قہقہہ)

"میں ہندو مسلم اتحاد کی ضرورت پر دیانتدارانہ اور پُرخلوص یقین رکھتا ہوں اور مسلم زعماء پر اعتماد کے لئے پوری طرح تیار ہوں لیکن قرآن اور حدیث کے شاخسانوں کا کیا ہوگا؟ لیڈران سے روگردانی نہیں کر سکتے تو کیا ہم تباہ ہو جائیں؟ میں سمجھتا ہوں کہ آپ کے قابل، ذہین اور سنجیدہ دماغ اس مصیبت سے گردن چھڑانے کی تدبیر ضرور سوچ لینگے۔"

گوسالۂ سامری۔ عزیزو! یہ صرف ایک خط ہے جو پندرہ سال پہلے ایک بڑے ہندو لیڈر نے دوسرے ہندو لیڈر کو لکھا تھا۔ اب میں اس مسئلہ سے متعلق اپنے نظریات پیش کروں گا جو کہ موجودہ صورت میں رونما

ہونے والے حالات پر غور کرتے ہوئے میرے دماغ میں پیدا ہوئے ہیں۔ برطانی حکومت اور پارلیمان اور برطانی قوم پچھلے کئی ڈھائی برس سے ہندوستان کے مستقبل کے بارے میں خاص خیالات و علامات پرورش کر رہی ہے جن کی بنیاد ان کے اپنے ملک کی ترقی و تعمیر پر رکھی گئی ہے اور جس نے ان کا دستور مرتب کیا ہے جو کابینہ کے طرز پر ایوانہائے پارلیمان کے ذریعہ اپنے فرائض انجام دے رہا ہے۔ ان کی جماعتی حکومت کا تصوّر سیاسی منصوبوں پر کام کر رہا ہے۔ اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہر ملک کے لئے یہی طرز حکومت بہتر ہو سکتا ہے۔ لطف یہ ہے کہ ایک طرفہ پروپیگنڈہ ہمیشہ انگریزوں کو لوری دیتا رہا یہی وجہ ہے کہ قانون ۳۵ء کی تشکیل نے انھیں آج ایک خطرناک غلطی میں جھونک دیا۔ برطانیہ عظمیٰ کے مدبرین اور سیاس اپنے ان تصوّرات سے مطمئن اور بے فکر ہو گئے ہیں انھوں نے اپنے بیانات میں یہ توقع ظاہر کی ہے کہ ہندوستان کے ناموافق عناصر اور معاندانہ واقعات مرورِ زمانہ سے خود بخود موافق بن جائیں گے۔

ایک موقر اخبار "ٹائمس" قانون ۳۵ء پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ "بلاشبہ ہندوؤں اور مسلمانوں کا اختلاف مذہبی نہیں۔ بلکہ قانون اور تہذیب کا اختلاف ہے۔ وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ درحقیقت دو بالکل واضح اور متضاد تہذیبوں کو نمایاں کرتا ہے جس طرح بھی ہو ایک مدت کے بعد یہ توہمات مر جائیں گے۔ اور ہندوستان ایک قوم کی صورت میں نظر آئے گا"

گویا "ٹائمس" کے تبصرے کے مطابق موانعات صرف "توہمات" ہیں، اساسی اور بنیادی اختلافات یعنی روحانی، معاشرتی، ثقافتی، سماجی اور سیاسی تضاد اور اختلاف کو صرف "توہمات" سے تعبیر کیا گیا ہے، لیکن یقیناً یہ اس ذیلی براعظم ہندوستان کی گزشتہ تاریخ کی ایک سنگین غفلت ہے اور ساتھ ہی معاشرت کے بنیادی اسلامی تصور اور ہندومت کا بھی کہ جسے وہ صرف "توہمات" کا نام دیتا ہے۔ باوجود ایک ہزار سالہ قریبی تعلق کے اس سے پہلے کبھی جذبۂ قومیت اس درجہ منتشر نہیں تھا۔ اور پہلے کسی وقت بھی اپنے آپ کو صرف ایک جمہوری دستور کے سہارے اور برطانوی پارلیمانی مصنوعی اصول پر ایک مفروضاتی حیثیت پر استوار کر کے ایک قوم میں تبدیل کرنے کی توقع نہیں کی گئی تھی۔ ہندوستان کی متحدہ حکومت ڈیڑھ سو برس سے کیوں ناکام رہی، کیا مرکزی وفاقی حکومت کے عائد کیئے جانے سے اس کا اعتراف نہیں ہو سکتا؟ قابلِ غور بات تو یہ ہے کہ اس طرح کی مدوّنہ حکومت اپنے قانون اور اقتدار سے نہ تو ذیلی براعظم کے تمام باشندوں کی وفاداری اور اطاعت برقرار رکھ سکتی ہے اور نہ ہی بجبر عسکری قوت کے مختلف قومیتوں پر قابو پا سکتی ہے۔ لیکن ہندو تو اُس گائے کے بچھڑے کی طرح سب کچھ بولنے لگتے ہیں جو سحر سامری کے اثر سے محیّر العقول واقعات کا پتہ دیتا تھا۔

مسئلۂ ہند مسئلۂ ہند کی صورت بین الفرقہ جاتی نہیں ہے بلکہ یہ قطعی طور پر بین الاقوامی حیثیت رکھتا ہے اور اس پر اسی نقطۂ نگاہ سے غور کرنا چاہیئے۔ اس بنیادی اور اساسی حقیقت کا اعتراف کیئے بغیر کسی دستور کا

تشکیل دینا سب سے بڑی تباہی اور ہیجان و اضطراب کی پرورش ہے۔ یہ نہ صرف مسلمانوں کی تباہی اور مضرت کا باعث ہوگا۔ بلکہ انگریز اور ہندو بھی اس کی چنگل سے جاں بر نہیں ہو سکتے۔ اگر واقعی برطانی سامراج کے دل میں اس برِ اعظم کے باشندوں میں امن قائم کرنے کا پر خلوص جذبہ ہے تو واحد علاج یہی ہے کہ ہندوستان کو "آزاد قومی مملکتوں" میں تقسیم کرکے بڑی قوموں کو اپنے آزاد منطقوں کے قیام کی اجازت دیدے۔ ان مملکتوں کو آپس میں معاندانہ صورت پیدا کرنے میں کوئی وجہ نہ ہوگی۔ نہ صرف اتنا ہی بلکہ باہمی رقابت، جذبۂ قومیت، ایک دوسرے پر اقتدار و حکومت کی ہوس اور سیاسی برتری کی ناکام آرزو ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گی فطری تقاضے ان کو بین الاقوامی سمجھوتے اور باہمی مفاہمت پر آمادہ کریں گے۔ اور یہ اپنے ہمسایوں سے گھل مل کر رہنے کا گر سیکھ لینگے اقلیتوں کا وجود ہندو اور مسلم ہندوستان کے درمیان دوستانہ تعلقات اور حلیفانہ جذبات کا باعث بن جائے گا اور یہ چیز مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں کے حقوق و مفادات کے لئے ایک آہنی قلعہ کا کام دے گی۔

نور و ظلمت۔ یہ جاننا بے حد مشکل بات ہے کہ ہمارے ہندو دوست اسلام اور ہندو مت کے اصلی فطرت اور حقیقی خط و خال کو سمجھنے میں کیوں ناکام رہے ہیں۔ معنوی اعتبار سے یہ صرف مذاہب ہی میں نہیں بلکہ درحقیقت واضح اور متضاد معاشرت ہے اور ہندوؤں اور مسلمانوں کی متحدہ قومیت کا امکان محض ایک خواب ہے۔ ایک ہندوستانی قوم کا غلط تصوّر اپنی حد سے تجاوز کر گیا۔ اور ہماری بیشتر مصائب و آلام کا یہی اہم سبب ہے

اگر ان تصوّرات پر بروقت نظر نہ رکھی جائے تو ہندوستان تباہی کی آغوش میں سو جائے گا۔ ہندو اور مسلمان دونوں کا فلسفہ عبادت، فلسفہ حیات، ادب اور معاشرت مختلف ہے۔ نہ تو ایک دوسرے کے ساتھ شادی بیاہ جائز ہے اور نہ ہی وہ ایک ساتھ کھا پی سکتے ہیں، بلاشبہ دونوں کی تہذیب بالکل علیحدہ علیحدہ ہے اور اس کی بنیاد بھی متصادم اور متضاد تصوّرات پر رکھی گئی ہے۔ دونوں کا نظریۂ حیات جُدا، طرزِ زندگی جُدا! دُنیا جانتی ہے کہ ہندو اور مسلمان دونوں اپنے جذبات کی تحریک تاریخ کے مختلف اور متضاد ذرائع سے حاصل کرتے ہیں، ان کے اپنے علیحدہ علیحدہ رزمیہ ہیں۔ مختلف مشاہیر اور متضاد روایات ہیں، عام طور پر ایک کے مشاہیر دوسرے کے دشمن سمجھے گئے ایک کی فتح دوسرے کی شکست پر مبنی رہی ایسی دو چھوٹی بڑی۔ اقلیت و اکثریت والی قوموں کو ایک جوئے میں جوت دینا گویا ہیجان و اضطراب کی اس راہ پر چلانا ہے جس کی منزل تباہی ہے اور بس! ایسی ہر تجویز اس رشتے کو قطع کر دے گی جو مرکزی حکومت کا بنیادی سہارا ہو گا۔

زاغ و زغن۔ تاریخ ہمیں بہت سی مثالیں بتاتی ہے۔ مثلاً برطانیہ عظمیٰ اور آئرلینڈ، زیکوسلواکیہ اور پولینڈ کا اتحاد تاریخ نے بہت سے جغرافیائی خطے بھی بے نقاب کر دیئے ہیں جو ہندوستان سے بہت چھوٹے ہیں پھر بھی ملک کہلاتے ہیں۔ وہ اپنی بسنے والی قوموں کے اعتبار سے کئی ریاستوں میں منقسم ہیں بلقان میں پانچ یا چھ ریاستیں ہیں۔ ابریئن پینسولا میں اسپین اور پرتگال کی منقسم ریاستیں ہیں۔ ایسی صورت میں اتحاد اور ایک قومیت کی بے بنیاد

حقیقت کے بہانے ہندوستان میں ایک مرکزی حکومت کے قیام کا جواز تلاش کیا جا رہا ہے۔ جبکہ ہم یہ جانتے ہیں کہ گزشتہ ۱۲ سو سال کی تاریخ میں اتحاد کی ہر کوشش ناکام رہی اور یہ ثابت ہے کہ ہمیشہ ہندوستان ہندو اور مسلم ہندوستان میں منقسم رہا۔ موجودہ بناوٹی متحدہ ہندوستان تو صرف برطانوی فتح کی رہنمائی کرتا ہے جو برطانوی سنگینوں کے سہارے قائم ہے۔ لیکن برطانوی دور کا اختتام جو کہ ہز مجسٹی کی حکومت کے حالیہ اعلان میں مضمر ہے۔ بدترین بدنظمی کے ساتھ انحطاط کا پیش خیمہ ہوگا جس کی مثال مسلم دور حکومت کی پچھلی ایک ہزار سالہ تاریخ میں کہیں نہیں ملتی یقیناً یہ کوئی ترکہ اور میراث نہیں ہے جو برطانیہ ہندوستان کو اپنی ڈیڑھ سو سالہ حکومت کے بعد دے رہا ہے۔ یہ بھی توقع نہیں کی جا سکتی کہ ہندو اور مسلم ہندوستان اپنے آپ کو انقلاب کے اس خطرے میں جھونک دے گا۔ مسلم ہندوستان ایسا کوئی دستور ہرگز قبول نہیں کر سکتا جس کا انجام ہندو غالب اکثریت ہو۔ زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن! ہندو و مسلم دونوں کو ایک جمہوری طرز حکومت کے زیر اثر لانے اور اقلیتوں کو دبانے کا صاف مطلب صرف ہندو راج اپنی پوری قہرمانیت کے ساتھ مسلمانوں پر مسلط کر دیا جائے! کانگریس اعلیٰ کمان کی مرغوب جمہوریت کا صرف یہی مفہوم ہو سکتا ہے کہ اسلام کے بہترین اور اعلیٰ اقتدار کو ہمیشہ کے لئے تباہ کر دیا جائے۔ گزشتہ ڈھائی برس میں صوبہ واری دستور کے نفاذ سے ہمیں کافی تجربے ہوئے ہیں۔ اس طرح کی حکومت کا اعادہ صرف خانہ جنگی اور خانگی افواج پیدا کر سکتا ہے۔ جیسا کہ مسٹر گاندھی نے سکھر کے ہندوؤں کو مشورہ

دیا تھا۔ جیسا انھوں نے کہا کہ تشدد اور عدم تشدد دونوں طرح سے مدافعت کرنی چاہیئے، گھونسہ کا بدلہ گھونسہ! اور اگر وہ ایسا نہیں کر سکتے تو پھر انھیں ملک چھوڑ دینا چاہیئے۔

مطمح نظر۔ عام طور پر مسلمانوں کو اقلیت سمجھا جاتا ہے لیکن یہ بات نہیں ہے ہر شخص اپنے اطراف دیکھ سکتا ہے۔ آج بھی سامراج ہندوستان کے نقشہ کے مطابق گیارہ صوبوں میں سے ۴ صوبوں میں کم وبیش مسلم اثر و اقتدار ہے۔ اور باوجود کانگریس اعلیٰ کمان کے فیصلۂ عدم تعاون اور سیول نافرمانی کے وہ اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ قومیت کی ہر جامع تعریف اور مستند کلیہ کی رو سے مسلمان ایک قوم ہیں اور ان کے لئے اپنے اوطان کا وجود ضروری ہے۔ انھیں اپنا ملک اور اپنی مملکت چاہیئے۔ ہم آزاد اور خود مختار انسانوں کی طرح اپنے ہمسایوں کے ساتھ امن و آسائش اور ہم آہنگی کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے عوام اپنی روحانیت، تمدن، معاشرت اور معاشی، سیاسی اور سماجی تصورات کو اپنے عقائد اور اپنی فطرت کے تقاضوں کے بموجب پروان چڑھائیں، دیانت داری اور کروڑوں بھائیوں کے مفادات کا ہم پر ایک پر امن اور باعزت حل تلاش کرنے کا خوش گوار فریضہ عائد ہوتا ہے اور یہ حل سب کے لئے مفید و موزوں اور مناسب ہوگا۔ لیکن ساتھ ہی ہمیں اپنے مقصد سے ہٹانے والی کسی دھمکی اور ترغیب کا شکار نہ ہونا چاہیئے۔ ہر طرح کے مصائب، موانعات اور عواقب سے مقابلہ کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔ اپنے مقصد کے حاصل کرنے میں قربانیوں سے بھی

دریغ نہ کرنا چاہیئے۔ موجِ نفس سے چراغِ آرزو کو روشن رکھیئے۔ سوزِ جگر۔ خواتین و حضرات! یہی مہم ہے ہمارے سامنے۔ میں نے کافی وقت لے لیا ہے، ابھی تو آپ سے بہت کچھ کہنا ہے لیکن میں نے ایک کتابچہ بھی شائع کر دیا ہے، اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں مل سکتا ہے، اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ آپ آسانی سے حاصل کر سکتے ہیں۔ اس سے آپ کو ہمارے مقاصد سمجھنے میں سہولت ہو جائے گی۔ اس میں لیگ کی اہم قراردادیں اور بیانات شامل ہیں، بہر حال میں نے آپ کو اُس مہم کا پتہ دیدیا جو ہمیں سر کرنی ہے۔ اس کی اہمیت و افادیت کے آپ معترف ہیں؟ کیا آپ مانتے ہیں کہ آزادی اور خود مختاری صرف دلائل سے حاصل نہیں کی جا سکتی؟ میں تعلیم یافتہ طبقے سے اپیل کرتا ہوں کہ ذہین اور روشن دماغ گروہ ہی ہر ملک کی تحریک آزادی میں پیش رو رہا ہے۔ مسلم ذہانت کیا تجویز کرتی ہے؟ میں سمجھتا ہوں کہ جب تک یہ آپ کے خون میں رس بس نہ جائے جب تک آپ کپڑے اتار پھینکنے قربانیاں دینے کیلئے تیار نہ ہوں اور بے غرض خدمت کا جذبہ آپ کے اندر پیدا نہ ہو جائے، ہر گز اپنا مقصود حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ فضاء کی تاریکی سے نہ گھبرائیے۔ سرشت کی درخشانی اور داغِ جگر سے اندھیرے کو اُجالا کر کے خود چراغ بن جایئے۔

حرفِ آخر۔ دوستو! میں چاہتا ہوں کہ آپ ارادہ کر لیں منصوبوں اور تجویزوں پر غور کریں۔ عوام کو منظم کریں! اپنی تنظیم کو قوی اور مستحکم بنائیں اور تمام ہندوستان کے مسلمانوں کو ایک رشتہ میں منسلک کر دیں۔ میں

سمجھتا ہوں کہ عوام کافی بیدار ہیں۔ قافلہ تیار کھڑا ہے۔ وہ صرف آپ کی رہبری، رہنمائی اور قیادت کے منتظر ہیں۔ اسلام کے سچّے خادموں کی طرح آگے بڑھ کر عوام کو معاشی، سیاسی، سماجی اور تعلیمی لحاظ سے مستحکم اور مضبوط بنائیے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ ایک ناقابلِ تسخیر قوت بن جائیں گے۔ ہر شخص بے چون وچرا آپ کا لوہا مان جائے گا۔

(خطبۂ صدارت کل ہند مسلم لیگ لاہور ــــــ ۱۹۴۰ء)

جہدِ حیات

خواتین و حضرات :-

میں آپ کا مشکور ہوں کہ آپ نے مجھے وفاق مسلم طلباء پنجاب کانفرنس کی صدارت کا اعزاز بخشا، میں نے محسوس کیا ہے کہ یہ روح کی انتہائی گہرائی سے ایک پکار تھی۔ اور اس پکار کا جواب دینے میں مجھے بے انتہا مسرت ہوئی، دوسری چیز، میں یکم مارچ، یعنی کل سے آپ کے ساتھ ہوں اور میں نے بہ نظر غائر آپ کی تمام کارروائیوں کا مطالعہ کیا، میں آپ کو اس کانفرنس کے ضبط و تنظیم پر مبارکباد دیتا ہوں، نہ صرف اُن نوجوانوں کو جو یہاں موجود ہیں، بلکہ لاہور کی ساری مسلم اکثریت اور اُن حضرات کی خدمت میں جو ملک کے مختلف گوشوں سے کانفرنس میں شریک ہوئے اپنا یہ پیام پہنچانا چاہتا ہوں کہ میں پنجاب کے مسلمانوں کی بیداری سے بہت مسرور ہوں اور ان تمام چیزوں کو عزت کی نگاہوں سے دیکھ رہا ہوں یہاں نوجوانوں کی ایک چھوٹی سی جماعت ہے جس نے کانفرنس کے انتظامات میں سخت مشقت اٹھائی لیکن میں سمجھتا ہوں کہ جنھوں نے اس کے لیے محنت کی اور مشقت جھیلی ہے انھیں اس بات سے تشفی ہو جانی چاہیئے کہ اُن کی محنت بار آور ہوئی اور ان کی خدمات کو سراہا گیا۔

مشتے از خروارے ہے۔ سب سے پہلے صدر مسلم لیگ کی حیثیت سے مجھے مسلم لیگ کی تین سالہ مساعی پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے کی اجازت دیجئے آپ جانتے ہیں کہ ۱۹۳۶ء میں مسلم لیگ پر جمود طاری تھا۔ اور مسلمان مردہ تھے۔ گزشتہ تین برس کے اندر مسلم لیگ نے ہندوستان کے سارے مسلمانوں کو اس قدر وسیع پیمانے پر منظم کر لیا کہ دوستوں اور دشمنوں دونوں کے منہ حیرت و تعجب سے کھلے رہ گئے۔ یہ قابلِ غور بات ہے۔ تاریخ میں نہایت جلی قلم سے لکھا جائے گا کہ صرف تین سال کے اندر اندر نو کروڑ مسلمان کیونکر ایک جھنڈے تلے آ گئے اور کس طرح ایک مرکز کے اطراف جمع ہو گئے۔ پچھلے دو سو برس کی مسلم تاریخ میں تو کہیں ایسا واقعہ نظر نہیں آتا۔ اس مہتم بالشان واقعہ کا ظہور ایک معجزے سے کسی طرح کم نہیں ہے! ہمارے تمام دشمنوں، تمام مخالفین کو یقین تھا کہ مسلمان کبھی متحد نہیں ہو سکتے، وہ لڑ مریں گے اور اسی توقع پر انھوں نے مسلمانوں میں انتشار و افتراق پھیلانے کا بیڑا اٹھایا تھا۔ آج میں کہہ سکتا ہوں کہ انھوں نے مسلمانوں میں انتشار و اختلاف پیدا کرنے کی ساری کوششوں سے ہاتھ دھو لیا ہے۔ مثال کے طور پر میں صرف مرکزی اسمبلی روہیلکھنڈ کی دستوری نشست کو پیش کروں گا ان سے کہا گیا تھا کہ یہ کانگریسی جائداد تھی، ہندو نشست تھی اور جب آخری ممبر کا انتخاب ہوا وہ مسلمان تھا لیکن کانگریسی مسلمان! خیر میں زبان کے اس الجھاؤ میں نہیں پڑنا چاہتا جو کسی کی بدقسمتی پر روشنی ڈالتا ہے۔ وہ معزز شخص جو روہیلکھنڈ کے حلقۂ انتخاب سے برسرِ کار آیا میں سمجھتا ہوں کہ اس نے اعلیٰ کمان کی اطاعت کی اور نہ انفرادی ستیہ گرہ میں مدد دی نتیجہ

یہ ہوا کہ ایک سال سے زیادہ عرصہ تک اسے ہز مجسٹی کے ایوان کا مہمان بنایا گیا (قہقہہ) ایک اور نتیجہ کے طور پر، جائز نتیجہ یہی تھا کہ اسے نشست نہیں دی گئی، لیکن جب ہم نے اپنے امیدوار نواب زادہ لیاقت علی خاں کو آگے بڑھایا۔ تو وہاں کے عرش و فرش پر بھی کانگریس ہی تھی۔ یہ تو صرف ایک واقعہ ہے، مشتے از خروارے۔ لیکن ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ مسلم لیگ نے کیا کیا۔

ذوقِ عمل۔ میں سمجھتا ہوں کہ میں نے بہت صحیح کہا ہے کہ آج مسلم لیگ نے ہندوستان کے مسلمانوں کو عزت اور وقار کی چوٹی تک پہنچا دیا ہے۔ اس نے ملک کی سیاسی اور قومی زندگی میں ان کے لئے ایک باعزت مقام پیدا کر دیا ہے۔ اس نے مسلمانوں میں اجتماعیت اور مرکزیت پیدا کر کے نظم و ضبط کی روح پھونک دی۔ مسلمانوں کے اندر سے عزتِ نفس اور خوداعتمادی کے فقدان کی بیخ کنی کر دی۔ اس نے مسلم ہندوستان کا صحیح نقشہ آپ کے سامنے پیش کر دیا۔ اُن اہم عناصر کے تناسب کو واضح کر دیا۔ جو آج مسلم قوم پر اثر انداز ہو رہے ہیں۔ غرض مسلم لیگ نے ہندوستانی مسلمانوں کے وقار عزت اور شہرت کو کچھ اس طرح چار چاند لگا دیئے کہ ہم اس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ حتیٰ کہ یہ چیز خود میرے اور ہمارے بہت سے دوستوں کے اندازوں سے باہر ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ آج مسلم ہندوستان دفتریت کی چنگل سے آزاد ہے۔ وہ لوگ جو مسلمانوں کی لیڈری کا دم بھرتے تھے اور جنھیں مسلم لیڈری کا زعم تھا۔ لیکن ان کے منہ میں زبان حکومت کی تھی، آج وہ بے دست و پا ہو گئے۔ وہ لوگ جو گاندھی ٹوپی کے سہارے سے کانگریس

پلیٹ فارم پر براجمان تھے، مفلوج واپاہج ہو گئے۔ مسلمان اب اپنے آپ کو پہچان گئے، وہ اپنے مرکز کے اطراف جمع ہو گئے۔ اور اپنے جھنڈے تلے کھڑے ہو گئے۔ اور اب وہ حصول مقصد کے لئے اپنی مساعی کو بروئے کار لانا چاہتے ہیں۔ پھر بھی بہت کچھ ابھی باقی ہے نوجوانوں، ضعیفوں، عورتوں اور مردوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ کام کریں ۔۔۔ عمل! اور صرف عمل!! ہمارا مقصد۔ یاد رکھیئے، آپ کو سب سے پہلے اپنا مقصد حاصل کرنا ہے یعنی مسلم ہندوستان ہمارے زیر حکومت ہوگا، یہی تو آپ کو حاصل کرنا ہے! لیکن یہ صرف قراردادوں کی منظوری سے حاصل نہیں کیا جا سکتا، جانتے ہو اس کا کیا مطلب ہے؟ بے شک ہم نے سیکڑوں مقامات سے اعلان کیا ہے کہ ہم اقلیت نہیں ہیں، بالکل واقعہ ہے، ہم اقلیت نہیں ہیں لیکن بے حد افسوس کے ساتھ مجھے یہ کہنا پڑتا ہے کہ ہندو قیادت ابھی تک اسی پرانی لکیر کو پیٹ رہی ہے کہ ہم اقلیت ہیں! اور مجلس اقوام کے اصول پر وہ ہمیں اقلیت کے تمام تحفظات دینے کیلئے تیار ہے۔ میں نے اس ضابطہ کو آج ہی پڑھا ہے۔ یہ ایک بڑے ہندو لیڈر کی اختراع ہے جس نے کل ہمارے شہر میں منعقدہ اقلیت کانفرنس میں بیان کیا ہے مجھے اپنے دوستوں، ہندو لیڈروں سے کہنے دو کہ مجلس اقوام مردہ ہے کیا تم ابھی تک یہ نہیں جانتے؟ میں کہہ سکتا ہوں کہ تم ابھی کم از کم پچیس برس پیچھے ہو، صرف اتنا ہی نہیں بلکہ تم یہ بھی نہیں جانتے کہ ساری دنیا کی ہیئت یورپ اور دیگر جنگی محاذوں پر ہفتہ بہ ہفتہ اور ماہ بہ ماہ بدلتی جا رہی ہے۔ کیا یہ رجعت پسند قوم، یا یہ خلوت پسند طبقہ اپنے تصورات اور نظریات کو نئے

سانچوں میں ڈھال نہیں سکتا؟ لیکن یہ تو بالکل دن کی روشنی کی طرح آشکارا ہے کہ ہم اقلیت نہیں ہیں، ہم ایک قوم ہیں، اور قوم کے لئے ملک ضروری ہے ورنہ صرف ایک قوم کا راگ الاپنے سے کیا حاصل؟ قوم ہوا میں زندہ نہیں رہ سکتی، یہ زمین پر بستی ہے، اسے زمین پر حکومت کرنا چاہیئے اور اس کے لئے ایک مملکت کا وجود ضروری ہے۔ یہی سب کچھ تو آپ چاہتے ہیں! قومی تعمیر۔ یاد رکھیئے یہ کوئی آسان کام نہیں ہے۔ یہ وہ عظیم ترمہم ہے کہ سلطنتِ مغلیہ کے زوال کے بعد سے شاید آج تک کبھی آپ نے اپنی زندگی میں اس طرف توجہ نہیں کی۔ جب یہ مان لیا گیا ہے کہ اس مقصد کے حصول کی خاطر تمام بنیادی عناصر اور ضروری تیاریاں ناگزیر ہیں تو پھر یہ کہنے کی اجازت دیجیئے کہ جذبات کے طوفان میں نہ بہہ جائیے۔ سائے کا تعاقب نہ کیجیئے۔ قوم کس طرح بنتی ہے؟ کب یہ زوال آشنا ہوتی ہے؟ کیونکر ایک قوم زندہ ہوتی ہے؟ یہ ہیں اہم سوالات۔

زوال آشنا زمرے میں ہمارا شمار ہوتا ہے، ہم نے بُرے دن دیکھے دیکھے ہیں، پھر بھی میں خوش ہوں کہ اس ملک میں مسلم قوم کی ایک واضح اور قطعی نئی زندگی اور نشاۃ ثانیہ شروع ہو رہی ہے۔ اب ہمارا موقف یہی ہے ہم ابھی بیدار ہوئے ہیں۔ ابھی تو آنکھیں کھول رہے ہیں۔ ہمارے اندر ابھی وہ شعور پیدا ہوا ہے کہ ہم اپنے اطراف دیکھ رہے ہیں۔ ابھی آپ ایک مریض ہیں۔ ابھی تک علیل ہیں، پوری طرح تنومند اور صحت ور ہونے سے قبل ابھی آپ افاقے کے دور سے گزر رہے ہیں۔ اپنی قوم کو آپ کیونکر اس منزل تک پہنچائیں گے اور کب اپنا مقصد حاصل کرنے کے قابل بن جائینگے

کوئی شاہراہ تو ہے نہیں، میرے نوجوان دوستو سب سے پہلے اپنے ذہن و دماغ کو قومی تعمیری شعبوں کی طرف رجوع کر دو، کہو گے یہ کیا ہے؟ قومی تعمیر کے شعبے کیا چیز ہیں؟ میں بتاؤں کیا ہے، کم از کم تین اہم ستون ایسے ہیں جو کسی قوم کو ملک اور حکومت کا اہل بنا دیتے ہیں۔

تین ستون۔ پہلی چیز تعلیم ہے، تعلیم کے بغیر قوم ایسی ہو گی جیسے کل رات اندھیرے میں ہم اس پنڈال میں تھے! تعلیم سے آراستہ ہونے کے بعد ہماری حالت ایسی ہو جائے گی، جیسے آج ہم دن کی بے پایاں روشنی میں ہیں، دوسری بات یہ ہے کہ کوئی قوم، صنعتی، تجارتی اور کاروباری ذرائع سے معاشی موقف کو مضبوط بنائے بغیر دُنیا میں کبھی کچھ نہیں کر سکتی تیسری چیز یہ ہے کہ جب آپ زیور تعلیم سے آراستہ ہو جائیں اور جب آپ کی معاشی، تجارتی اور صنعتی حالت بہتر ہو جائے۔ تب اپنے آپ کو مدافعت کے لئے تیار کر لو ——— مدافعت خارجی حملوں کی اور داخلی تحفظ کے بقا کی! بہر کیف یہی تین اہم ستون ہیں جن پر ایک قوم کھڑی رہ سکتی ہے۔ اور قوم کی طاقت و عمارت آپ کی تیاری کے تناسب اور ان ستونوں کے سہارے باقی رہتی ہے۔ آج ان تین نکات کے اعتبار سے دوسروں کی نسبت آپ بہت نچلی سطح پر ہیں تعلیم و تربیت کی ابھی کافی ضرورت ہے معاشی اور مالیاتی اعتبار سے سارے ہندوستان کے مسلمان مفلوک الحال ہیں اور دیوالیہ کی سرحدوں پر کھڑے ہوئے ہیں۔ ان ادنیٰ مواقع میں بھی جو انھیں موجودہ حکومت میں حاصل ہیں۔ دفاعی اعتبار سے مسلمانوں کی تعداد بہت کم ہے۔ میرے نوجوان دوستو میں جانتا ہوں کہ آپ کی

چند قرار دادیں ہیں جو بلا شبہ بہت مفید ہیں اور آپ اس کا کچھ حصّہ صرف اپنے لوگوں تک محدود رکھنا چاہتے ہیں، اب آپ کے لئے ایک پروگرام ہے صرف زبانی جمع خرچ نہ کرو۔ جسے میں دکھاوا اور گھمنڈ کہوں گا۔ کیونکہ اب میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ہمیں اب اس طریقہ کار کی ضرورت نہیں ہے کیوں؟ اس لئے کہ ہمارا مطالبہ دیانت دارانہ ہے، مبنی بر انصاف اور حق ہے۔ یہ ہے پہلی وجہ، دوسرا سبب یہ ہے کہ جو قوی اور خود اعتماد ہیں، انھیں غیر ضروری دھمکی اور دکھاوے کی زبان میں الجھنے کی ضرورت نہیں لائحۂ عمل۔ سب سے پہلے ہمیں اپنے مخالفین کو قائل کرنے اور سمجھانے کی ممکنہ کوشش کرنی چاہیئے۔ بے شک، میں جانتا ہوں کہ ہمارا سمجھانا اور ترغیب دینا ہر وقت کامیاب نہیں ہو سکتا، لیکن ہم مقدور بھر کوشش کرینگے فی الوقت ہمیں قرار داد لاہور کے مخالفین سے غیر ضروری تلخی نہیں پیدا کرنی چاہیئے۔ کیوں ہمیں ایسا نہیں کرنا چاہیئے؟ مجھے یقین ہے کہ معترضین اعتراف کرلیں گے کہ یہی ایک حل ہے، ہندوستان کے پیچیدہ ترین مسئلہ کا یہ بہترین حل ہے، جس کی دنیا بھر میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ ہمارے مخالفین جہاں کہیں بھی ہوں اور خصوصاً اس ملک میں سوائے مسلمانوں کے تین جماعتیں قرار داد لاہور سے متعلق ہیں ـــــ حکومت برطانیہ ہندوستانی والیان ریاست اور ہندو، میں کہہ سکتا ہوں کہ اس تجویز میں اس بر اعظم کی حد تک ان تین بڑی طاقتوں اور اہم عناصر کا بہت بڑا مفاد مضمر ہے اور وہ خود مان جائیں گے کہ ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں، یہی واحد حل ہے میں آپ کو بعد میں بتاؤں گا، فی الوقت اپنے موضوع سے دور ہٹنا نہیں

چاہتا، اگر آپ اپنے مقصد کو بہت آسانی سے جلد تر حاصل کرنا چاہتے ہیں تو میرے بتائے ہوئے خاکے پر اپنی قوم کی بنیادیں تعمیر کیجئے۔

حال۔ اس وقت ہمارے سامنے دو اہم سوال کھڑے ہیں۔ ایک تو موجودہ مسئلہ ہے اور دوسرا مستقبل کا معاملہ ہے۔ جہاں تک موجودہ مسئلہ کا تعلق ہے میں آپ کو مسلم لیگ کا موقف سمجھاؤں گا۔ آپ جانتے ہیں کہ دنیا کے ایک سے زیادہ براعظموں میں زبردست کشمکش اور عظیم جدوجہد جاری ہے اور آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ اس جنگ میں حکومت برطانیہ بڑی سرگرمی سے حصہ لے رہی ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ موجودہ حالات کے اعتبار سے اور اُس دستور کی رو سے جس کے تحت ہم پر حکومت کی جا رہی ہے، غلط یا صحیح طور پر ہندوستان جنگ میں شریک ہے۔ آج ہندوستان برطانوی حکومت کے زیر اثر ہے۔ اس لئے ہندوستان خود بھی لڑائی میں الجھا ہوا ہے اس لئے جنگی مساعی کو شدید اور تیز تر بنانے کے لئے ہندوستان کو ممکنہ کوشش کرنی چاہیئے۔ حکومت برطانیہ سے ہماری اپنی شکایات اور مطالبات کے قطع نظر آج ہمیں یہ ماننا پڑتا ہے کہ خود ہندوستان خطرے میں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ ہماری بدقسمتی ہو، آپ کے احساسات اور جذبات جو کچھ بھی ہوں، لیکن اس وقت اس بنیادی حقیقت کو فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ ہندوستان بھی خطرے میں ہے۔ اس لئے جنگی کوششوں میں رکاوٹ پیدا کر کے ہم اپنے مفاد میں روڑا اڑانا نہیں چاہتے، کیونکہ یہ ساری کوششیں بھی تو خود ہندوستان کی دفاع بچاؤ اور استحکام کی خاطر کی جا رہی ہیں۔ ہم برطانیہ عظمیٰ کو بھی کسی طرح حیران و پریشان کرنا نہیں چاہتے۔ میں

حکومت برطانیہ کی موافقت میں کوئی صفائی نہیں پیش کر رہا ہوں۔ لیکن میں جذباتی اور ہیجانی غور و فکر پر بھی اعتماد نہیں کرتا۔ اس لئے مسلم لیگ حکومت برطانیہ کی پر جوش امداد اور مکمل تعاون کے لئے تیار تھی۔ نہ صرف ہمارے موجودہ بوجھ اور ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے پر آمادہ تھی۔ بلکہ موجودہ دستور کی مشتملہ نئے آنے والی ذمہ داریوں اور فرائض سے نمٹنے کیلئے بھی تیار تھی۔ بشرطیکہ مسلم لیگ کے نمائندوں کو مرکزی اور صوبہ واری دونوں حکومتوں میں حقیقی اور ٹھوس اختیارات دیدیئے جائیں تاکہ وہ اپنے فرائض سے نہایت عمدگی کے ساتھ عہدہ برآ ہو سکیں اور امداد و تعاون کی مہم کو معنی خیز اور مؤثر طریقہ پر چلایا جا سکے۔

ہم اس ذمہ داری سے اپنے آدمیوں کی حسب خواہش کیونکر عہدہ برآ ہو سکتے جب کہ حکومت میں ہماری کوئی آواز نہیں اور ہم اپنی فوج کی ترتیب و تقسیم میں کوئی حصہ نہیں لے سکتے؟ ہم لاکھوں اور کروڑوں کے موازنہ کی ذمہ داری اور بوجھ کیسے برداشت کرتے جب کہ ہماری کوئی آواز ہے اور نہ ہی اس کے خرچ کا ہمیں اختیار ہے؟ کیونکر ہم اس ذمہ داری کو سر لیتے اور حکومت میں بغیر طاقت و اختیار کے کیونکر اس سے عہدہ برآ ہو سکتے؟ اصول تو حکومتِ برطانیہ بھی مان گئی۔ اور اس سے انکار نہیں کیا گیا، لیکن ترجمانی کے وقت لارڈ لنلتھگو یا مسٹر ایمری یا پھر دونوں، میں نہیں جانتا کون ذمہ دار ہے۔ ایک چھوٹے چوہے کے ساتھ باہر آئے اور بغیر کسی تفصیل کے صرف اتنا کہا "ہم آپ کو مجلس عاملہ میں دو نشستیں دیں گے" (قہقہہ) یہ محض ابتدا ہی کو کالعدم کرنا تھا، اس مسئلہ کے آغاز

ہی کو غیر اہم بنانا تھا، جو نہایت جرأت، بیباکی اور دانشمندی کے ساتھ پیش کیا گیا تھا۔ اس عطیہ کو کوئی ذمہ دار تنظیم قبول نہیں کر سکتی۔۔۔ چنانچہ کل ہند مسلم لیگ نے انکار کر دیا۔

مستقبل۔ یہ تو سب حال کی باتیں ہیں، اب ہم مستقبل پر نظر ڈالیں گے۔ جہاں تک مستقبل کا تعلق ہے، میں نے ممکنہ غور و فکر اور توجہ سے کام لیا ہے جس قدر ایک انسان سے ممکن ہے میں نے مخالف رجحان اور تعصب سے بڑی حد تک گریز کر کے قرارداد لاہور کی مخالف دلائل کا مقدور بھر مطالعہ کیا ہم تو اپنی قرارداد لاہور کو بڑی شدت سے تھامے ہوئے ہیں اور جوں ہی حالات سازگار ہو جائیں یا پھر جنگ کے فوری بعد ہم اسے پورا کر لیں گے یہی ہمارا مطالبہ ہے، ہندوؤں سے ہمارا مطالبہ نہیں ہے۔ کیونکہ سارے ہندوستان پر کبھی ہندوؤں کا قبضہ نہیں تھا۔ یہ تو مسلمان تھے جنھوں نے ہندوستان پر قبضہ کیا اور سات سو برس حکومت کی۔ انگریزوں نے ہندوستان مسلمانوں سے لیا۔ اس لئے ہم ہندوؤں سے کوئی چیز طلب نہیں کرتے۔ ہمارا مطالبہ انگریزوں سے ہے جو قابض و حکمران ہیں۔ یہ کہنا تو بڑی حماقت ہے کہ ہندوستان صرف ہندوؤں کا ملک ہے۔ وہ تو یہ بھی کہتے ہیں کہ مسلمان کبھی ہندو تھے۔ یہ احمقانہ دلائل ان کے لیڈروں کی اختراع ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر انگلستان میں کوئی انگریز مسلمان ہوتا ہے تو وہ ہرگز پاکستان نہیں مانگتا۔ کیا تمہاری آنکھیں اندھی ہیں۔ اور تمہارے دماغوں میں بھس بھری ہوئی ہے جو تم اتنا بھی نہیں سمجھ سکتے کہ جب کوئی انگریز انگلستان میں اپنا مذہب بدل دیتا ہے تو باوجود تبدیلی

مذہب کے وہ اُسی کلچر اور اُسی سماجی زندگی کے قوانین کے ساتھ اسی مخصوص سماج کا رکن رہتا ہے۔ جب کوئی انگریز اپنا عقیدہ بدلتا ہے تو کیا ہر چیز حسب دستور باقی رہتی ہے؟ لیکن کیا تم یہ نہیں دیکھ سکتے کہ جب ایک مسلمان مذہب تبدیل کر چکا اور یہ بھی مان لیا کہ ہزاروں سال قبل اس نے مذہب بدل دیا تھا، تو ہندو مذہب اور ہندو فلسفہ کی رو سے وہ ذات کے باہر ہو گیا اور ملیچھ (اچھوت) قرار دیدیا گیا۔ اور ہندوؤں نے اس سے سیاسی، معاشرتی، اور سماجی ہر طرح سے قطع تعلق کر لیا؟ چنانچہ آج وہ نہ صرف مذہبی بلکہ سماجی حیثیت سے بھی ایک علیحدہ نظام سے تعلق رکھتا ہے، اور ابھی تک وہ اپنے اس علیحدہ، واضح اور خود مختار معاشرتی نظام میں مذہبی، سماجی اور تمدنی لحاظ سے زندگی بسر کرتا رہا۔ تقریباً ہزار سال اوپر کی بات ہے کہ مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد ایک علیحدہ دُنیا اور ایک علیحدہ سماج میں ایک جداگانہ فلسفہ حیات اور مختلف عقائد کے ساتھ زندگی بسر کرتی رہی۔ کیا تمہیں اس احمقانہ دلیل کی بنیاد پر یہ ثابت کرنے کا امکان ہے کہ صرف تبدیلی عقیدہ سے پاکستان کا مطالبہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا؟ کیا تم بنیادی اختلاف کو نہیں دیکھ سکتے؟ میں نہیں سمجھتا کہ کوئی ایماندار آدمی اس حقیقت کو جھٹلا سکتا ہے کہ مسلمان ایک قوم ہیں جو ہندوؤں سے بالکلیہ مختلف ہیں۔ سیکڑوں ہندو ایسے ہیں جو ایمانداری سے یہی سب کچھ سوچتے ہیں۔ صدہا ایسے ایسے ہندو ہیں جو اس پر یقین رکھتے ہیں، یہ سب میرے پاس آئے ہے۔ اور بارہا کہا کہ یہی واحد حل ہے، یعنی قرار داد لاہور۔ اب مزید کسی دلیل کی

ضرورت نہیں ہے لیکن، کیوں اس کے خلاف پروپیگنڈا جاری رکھا گیا؟ پروپیگنڈا جاری ہے۔ اور میں نے بحیثیت ایک انسان ممکنہ طور پر تعصب اور جانبداری سے بچتے ہوئے مخالف پاکستان دلائل کو سمجھنے کی کوشش کی، دلائل کیا ہیں؟

دلیل و حجت۔ میں پہلے مسٹر گاندھی سے شروع کرتا ہوں۔ وہ اسے ہندوستان کی چیر پھاڑ سے تعبیر کرتے ہیں، یہ آپ کو خوف و دہشت کا احساس دلاتی ہے، کیا واقعی یہ چیز مسلمانوں کو ڈرانے کے لئے ہے کہ وہ ہندوستان کی چیر پھاڑ نہ کریں؟ دراصل ہندوؤں کو ڈرایا جارہا ہے کہ یہ برے لوگ ان کے مادر وطن کی چیر پھاڑ کر رہے ہیں، یہاں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے۔ مجھے بتائیں کہ ہندوستان کب ایک تھا؟ یہ کبھی ایک تھا؟ پھر کیوں "چیر پھاڑ" کی اصطلاح؟ بعد ازاں ان کے چیلے مسٹر راجگوپال اچاریہ تو ایک قدم آگے بڑھکر کہتے ہیں! اور انھوں نے شروع اس طرح کیا کہ ایک بچے کے دو ٹکڑے کئے جا رہے ہیں، میں پوچھتا ہوں، میرے عزیز دوست وہ بچہ کہاں ہے جس کے دو ٹکڑے کئے جا رہے ہیں؟ اس پر بھی وہ مطمئن نہ ہوئے اور خیال کیا کہ یہ کافی نہیں ہے تو آگے بڑھے اور کہا کہ یہ بالکل ایسا ہے جیسا دو ہندو بھائی لڑ رہے ہیں اور ایک بھائی اپنی گئو ماتا کو کاٹ کر دو حصے کر دینا چاہتا ہے۔ خواتین و حضرات! میں ہمیشہ ہر فرقہ اور ہر جماعت کے مذہبی جذبات کا احترام کرتا رہا لیکن جب راج گوپال اچاریہ جیسے مشہور سیاست دان ہندوؤں کے مذہبی احساسات کو بھڑکانے کے لئے یہ تاویل کرتے ہیں کہ میں گئو ماتا کے ٹکڑے کر دینے کی

تجویز کر رہا ہوں، تو میں اسے صرف ان کی مجبوری، محرومی اور بے کسی تعبیر کرتا ہوں، کیونکہ اس خصوص میں آگے بڑھنے کے لئے ان کے پاس کوئی معقول دلیل نہیں ہے۔ پھر ہم سے کہا جاتا ہے کہ یہ خلاف اسلام ہے!

حضرات! نہ تو میں فاضل اجل ہوں اور نہ ہی مولوی، اور نہ میں نے کبھی اپنے فاضلِ دینیات ہونے کا دعویٰ کیا ہے، لیکن میں اپنے عقائد سے واقف ضرور ہوں اور میں اپنے عقیدے میں راسخ الاعتقاد ہوں۔ خُدا کے لئے مجھے بتاؤ کہ قرار داد لاہور کیونکر اسلام کے خلاف ہے؟ کیوں آخر منافی اسلام ہے؟ لیکن یہ صرف ایک حجت ہے جو راجگوپال اچاریہ کے پائے کے ایک شخص نے پھر پیش کی۔

ہم سے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس میں مسلمانوں کا کوئی مفاد نہیں ہے۔ میں اپنے ہندو دوستوں سے کہوں گا کہ وہ ہمارے متعلق حیران نہ ہوں ہم آپ کے ممنون ہیں کہ آپ نے ہماری غلطی بتائی، غیر دانشمندانہ فیصلہ یاد دلایا اور پھر اپنے قیمتی مشورے سے کہ اس میں خود ہمارا کوئی فائدہ نہیں ہے، سرفراز فرمایا، ہم اپنی کافی غور کردہ قرار داد کے نتائج سے نمٹنے کے لئے تیار ہیں، براہِ کرم آپ اپنی نگہبانی کیجئے۔ ایک دوسری حجت یہ ہے کہ معاشی اعتبار سے ہمارا منصوبہ قابل عمل نہیں ہے۔ میں ہمیشہ غور کرتا رہا —— اور یقین مانئے کہ ہندو لیڈروں نے جہاں کہیں جو کچھ بھی کہا۔ میں نے ضرور پڑھا —— ممکن ہے کچھ نظر سے رہ گیا ہو —— میں نے اب تک اس تجویز کے متعلق یہ نہیں سنا تھا کہ یہ معاشی اعتبار سے ناممکن العمل ہے، کیونکہ پنجاب ایک مفلس صوبہ ہے، سندھ دیوالیہ ہے، بلوچستان

صفر ہے اور سرحدی صوبہ قلاش ہے اور شاید اسی لئے معاشی لحاظ سے قابلِ عمل منصوبہ نہیں ہے۔ کیوں نہیں ہے؟ کیا تم موجودہ اہم ذرائع مال گزاری کو نہیں دیکھتے کہ اس برِ اعظم کی ساری مال گزاری کا بڑا حصّہ مرکز کے ہاتھوں میں ہے؟ اگر یہاں حد بندی ہو جائے، اگر خود مختار منطقے قائم ہو جائیں جیسا کہ ہم بنا رہے ہیں، تو یہ منطقے اپنی مال گزاری راست حاصل کریں گے اور وہ مرکز نہ جا سکے گی، کیونکہ اس وقت ہندوستان کا کوئی مرکز نہ ہوگا۔ تمہیں آخر کیوں اس کے متعلق تردد ہو رہا ہے؟ اگر واقعی حالات بد سے بدتر ہو جائیں تو ہم ایک دانشمند انسان کی طرح اپنی چادر دیکھ کر ہی پاؤں پھیلائیں گے۔

دوسری چیز مسلم منطقوں میں ہندو اقلیت کا کیا ہوگا؟ کیا حیثیت ہوگی؟ آپ کیا تجویز کرتے ہیں؟ وہ تو کوئی بات نہیں سمجھاتے، ہندو منطقوں میں مسلم اقلیت کا کیا ہوگا؟ لیکن میں نے کچھ سوچا ہے۔ میری تجویز یہ ہے کہ مسلم علاقوں میں ہندو اقلیت کی پوری حفاظت کی جائے جیسی کہ اقلیت کی ہو سکتی ہے اور ہندو علاقوں میں مسلم اقلیت کو پورا تحفظ حاصل رہے۔ تم کیا تجویز کرتے ہو؟ کیا تم یہی حجت پیش کرتے ہو کہ مسلم منطقوں میں ہندو اقلیت یا اقلیتیں بہر حال اقلیتیں ہوں گی اس لئے نو کروڑ مسلمانوں کو بھی مرکزی حکومت کے فریق کی حیثیت سے فرضی ایک ہندوستان میں اقلیت ہی رہنا چاہیئے۔ تاکہ تم ان پر بشمول اُن علاقوں کے جہاں ان کی ٹھوس اکثریت ہے حکومت کر سکو؟ یہ نہایت مضحکہ انگیز اور بے بنیاد دلیل ہے جو بعض حصّوں میں پھیلتی جا رہی ہے۔

امن و آزادی۔ پھر آخر میں ہم سے کہا جاتا ہے کہ اگر ہندوستان کی تقسیم

ہو جائے تو مسلمان سارے ملک پر قابض ہو جائیں گے اور ہندو خطرے میں پڑ جائیں گے، عزیز دوستو! تم ہندو بیس۲۰ کروڑ سے کسی طرح کم نہیں ہو۔ اور بیچارے مسلمان شمال مغربی اور مشرقی منطقے میں زیادہ سے زیادہ سات کروڑ ہوں گے، کیا تم ڈرتے ہو کہ اگر یہ مسلمان اپنے وطن میں آزاد رہ کر اپنی مذہبی، سیاسی، سماجی اور ذہنی ترقی کر لیں اور اگر یہ خود مختار مملکت قائم کر لیں تو تمہیں یہی اندیشہ ہے کہ وہ سارے ملک پر چڑھ دوڑیں گے؟ تو میں یہ پوچھ سکتا ہوں ایک متحدہ ہندوستان کے کاغذی دستور کے بل پر تم ان نو کروڑ مسلمانوں کے خطرے سے کیونکر بچ سکتے ہو؟ کیا تم نو کروڑ خطرناک انسانوں کی موجودگی میں ایک متحدہ ہند کا کاغذی دستور چاہتے ہو؟ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ حکومت برطانیہ اس ملک کے اندر ہندو راج کی نگہبانی کرے تاکہ تم رفتہ رفتہ اور آہستہ آہستہ لیکن قطعی طور پر برطانوی سنگینوں کی مدد سے مسلمانوں کا گلا گھونٹ دو؟ یہی چاہتے ہو نا تم؟ میں اپنے ہندو دوستوں اور ان کے لیڈروں سے پوچھتا ہوں کہ کیا تمہیں یہ توقع ہے کہ انگریز قوم اپنے آپ کو گرا دے گی۔ اور یہاں رہ کر ہندو راج کی نگہبانی کرنے کے لئے اپنی سنگینوں سے تمہیں مسلمانوں کا گلا گھونٹنے کی اجازت دے کر اپنی عزت کو خاک میں ملا دے گی؟ تو پھر کیا چاہتے ہو تم؟ یہی تو سوال ہے۔ میں پھر کہتا ہوں کہ اگر ہندو امن چاہتے ہیں تو مہربانی کر کے ایمانداری اور غیر جانبداری سے ہمارے منصوبے کا مطالعہ کریں، تمام نعرے، تمام لفظی افترا پردازیاں اور سنسنی آفرینی چھوڑیں تم ہرگز کامیاب نہ ہوں گے۔ اس لئے اب ہمیں جذبات سے الگ ہو کر عملی انسانوں کی

طرح تاریخ کی روشنی میں مختلف ممالک کے نافذشدہ دستاویز پر غور کرنا چاہیئے۔ اور میں محسوس کرتا ہوں کہ تقسیم ہند کی تجویز ہی ہم سب کے مفاد کے لئے بہتر ثابت ہو گی —— صرف مسلمانوں ہی کے لئے نہیں بلکہ ہندو، والیانِ ریاست اور حکومت برطانیہ کے لئے بھی سود مند ہو گی، یہی امن و آزادی کی شاہراہ ہے!

شیروشکر۔ اب تک جس قدر دلائل و براہین پیش کی گئیں، میں نے سب پر غور کیا ہے۔ اگر تقسیم ہند سے اتفاق کریں تو میں وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ہندو اور مسلمان دونوں پُرامن طریقہ پر ہمسایہ دوستوں کی طرح زندہ رہیں گے۔ میں یقین دلاتا ہوں اور مجھے یہ صاف محسوس ہوتا ہے کہ مسلم ہندوستان، ہندوستان کی سرحدوں پر چوکی پہرہ لگا دے گا۔ کیا تم ایک لمحہ کے لئے یہ سوچ سکتے ہو کہ افغانستان، ایران کو افغانستان پر حکومت کرنے دے گا؟ کیا تم تھوڑی دیر غور کر سکتے ہو کہ افغانستان یا ایران ترکی کا باج گزار بن جائے گا؟ تم لمحہ بھر یہ خیال کر سکتے ہو کہ عرب میں بھی —— جزیرۂ نما عرب —— جہاں یمن، سعودی عرب، عراق وغیرہ کی چھوٹی چھوٹی خودمختار سلطنتیں ہیں، کوئی اپنی آزاد مملکت اور اقتدار سے کسی کے حق میں دستبردار ہو جائے گا؟ کیوں تم یہ سمجھتے ہو کہ جب مسلمان شمالی مغربی منطقے میں اپنی خودمختار اور آزاد مملکت قائم کر لیں گے تو وہ کسی اور کو اپنے اوپر حکومت کرنے کی اجازت دیں گے۔ حالانکہ ہندو ہندوستان پر حکومت کرنے سے پہلے تو انھیں مجھ پر حکومت کرنی چاہیئے؟ اس لئے صوبہ سرحد کی حد تک مسلمان نگہبانی کریں گے اور جنوب اور مغربی

ہندوستان کی حفاظت ہندوؤں کے ذمہ رہے گی۔ ہم دوستوں کی طرح
شیر و شکر اور ہمسایوں کی طرح گھل مل جائیں گے اور دُنیا سے کہہ دیں گے
"ہندوستان سے ہاتھ اٹھالو" میں کہتا ہوں کہ ہم لوگوں کی تاریخ میں اس
وقت ہندوستان کو ایک نہایت عمدہ موقع مل رہا ہے۔ اگر اسے کھو دیا گیا تو مدت
دراز تک ایسی توقع عبث ہے۔ ہمیں عملی انسان بن کر رہنا ہے آنکھیں
لڑاتے ہوئے سر جوڑ کے بیٹھ کر پاکستان کے بنائے ہوئے خاکہ پر اس
مسئلہ کا حل تلاش کرنا چاہئے۔ عوام کو دھمکی دینے سے کوئی فائدہ نہیں
اور نہ یہ کہنے سے کچھ حاصل کہ لفظ پاکستان کی بعض لوگ غلط ترجمانی
کر رہے ہیں"۔ اس ملک کا ہر ذہین آدمی جانتا اور سمجھتا ہے کہ پاکستان
سے ہمارا کیا مطلب ہے، اگر یہاں کوئی شریر النفس ہے، جو صرف شر
پھیلانا چاہتا ہے تو خدا ہی اُسے روک سکتا ہے، میں اسے منع نہیں
کرتا، ہر وہ شخص جو ذرا بھی سمجھ بوجھ رکھتا ہے اور جو ایماندار ہے، وہ
اچھی طرح جانتا ہے کہ پاکستان سے ہماری مراد کیا ہے ہمارا مطلب
ہے قرارداد لاہور!

سکھ اور پاکستان۔ ایک اور چیز تشریح طلب رہ گئی اور یہ سکھوں کا مسئلہ
ہے۔ یہ جاننا ذرا مشکل ہے کہ ہمارے سکھ دوست کیوں خوف وہراس
اور غلط فہمی کا شکار ہو گئے۔ میں انھیں بھی مشورہ دیتا ہوں کہ وہ اس
تجویز کا نہایت دلچسپی اور خاموشی سے مطالعہ کریں۔ ہماری مجوزہ تجویز ——
قرارداد لاہور —— میں سکھوں کا موقف ان کے اس موقف سے
کہیں زیادہ بہتر ہوگا جو انھیں ایک دفاقی دستور کے متحدہ ہندوستان میں

حاصل رہے گا۔ یہ ظاہر ہے کہ پنجاب میں سکھ ایک اہم فرقہ بن جائیں گے۔ اور جب کبھی پاکستان کے فریق کی حیثیت سے پنجاب میں کوئی مقننہ تشکیل دی جائے گی تو کیا پنجاب کے ایک اہم جماعت اور فرقے کی حیثیت سے سکھ صوبۂ پنجاب میں اہم پارٹ ادا نہیں کریں گے؟ کیا وہ اس صوبے کی اہم جماعت کی حیثیت سے پاکستانی وفاق میں مساویانہ حصّہ نہیں لیں گے؟ وفاقی دستور کے متحدہ ہندوستان میں ان کا موقف کیا ہوگا؟ سمندر میں ایک قطرہ اور آج بھی یہی حال ہے! اگر سکھ دوست میری آواز سن سکتے ہیں تو میں ان سے کہوں گا کہ آج بھی مقننہ میں سکھ کسی شمار و قطار میں نہیں ہیں۔ ننو میں ایک آدمی کیا کر سکتا ہے؟ ایک ممبر کیا کرے گا جب کہ ان کے ۲۵۰ ممبر ہوں، اور تمہارے تو دو یا تین ہی ممبر ہوں گے؟ متحدہ ہندوستان میں نہ صرف تمہاری کوئی حیثیت نہ ہوگی بلکہ تمہارا حال سمندر میں ایک قطرے کا سا ہوگا۔ میرے سکھ دوست اس ناگزیر قانون سے کسی طرح نہیں بچ سکتے کہ پنجاب میں ان کی اقلیت ہے اور انھیں اقلیت ہی رہنا ہے۔ اور تم لڑائی جھگڑوں، دھمکی اور دھونس سے بھی اس حقیقت کو نہیں جھٹلا سکتے کہ ان علاقوں میں مسلم اکثریت ہے۔ میں اپنے سکھ دوستوں سے کہتا ہوں کہ اگر ان کے اندیشوں پر، میں اعتماد کر لوں تو میرے صوبہ میں میری اپنی حالت ان سے سوگنی بری ہو جائے گی۔ کیونکہ میرے صوبہ میں ہم صرف ۵ فیصد مسلمان ہیں۔ اور باقی تقریباً ۹۰ فیصد ہندو ہیں۔ اور اس صوبے میں تو ۱۳ فیصد سکھ ہیں۔ اور دیگر ہندو ۸۰ فیصد ہیں۔ اس طرح تم میرے صوبہ بمبئی سے اچھے ہی

رہو گے، پھر بھی مجھے کوئی ڈر نہیں! اس لئے میں چاہتا ہوں کہ لوگ ان حقائق اور ان کے عواقب و نتائج پر سچ مچ غور کریں۔

نصب العین۔ ایک اور قابل غور بات ہے کہ دنیا میں کہیں اور کوئی وفاقی دستور اس میں شریک ہونے والی اتحادی جماعتوں کی مرضی، منشا اور اتفاق کے بغیر کبھی تشکیل دیا گیا اور نہ ہی چلایا گیا۔ ہندوستانی مسلمانوں کے لئے واحد حل جو وقت کی ایک آزمائش ہے، وہ صرف تقسیم ہندوستان ہے جس کی بدولت دونوں قومیں مرضی و منشا، اپنی روایات اور معاشی، سماجی، سیاسی اور تمدنی تصورات کے ساتھ آزادانہ ترقی کر سکتی ہیں، یہ ساری کوشش مکمل مواقع اور اسلامی قومی خودداری کے اظہار کی خاطر ہے۔ یہ عظیم جدوجہد جس میں ہم مصروف ہیں صرف مادی حصول کے لئے نہیں ہے۔ بلکہ مسلم قوم کی روح کی بقا بھی اسی میں ہے۔ میں نے بارہا کہا ہے کہ یہ مسلمانوں کی موت و زیست کا معاملہ ہے، کوئی لین دین کا معاوضہ اور بدل نہیں ہے۔ مسلمان اب پوری طرح باشعور ہو گئے ہیں۔ اگر اب ہم اس جدوجہد میں ناکام رہے تو گویا ہم نے سب کچھ کھو دیا۔ ہمارا نصب العین تو بالکل اس دلپذیر مثل کے مصداق بن جانا چاہیئے:۔

"دولت کھوئی تو کچھ نہیں کھویا،
جرأت کھونا البتہ کچھ کھونا ہے،
عزت کھوئی تو گویا بہت کچھ کھو دیا
روح کھوئی تو جیسے سب کچھ کھو دیا!"

(وفاق مسلم طلباء پنجاب ——— ۱۹۴۱ء)

پنجسالہ صوبہ بندی

خواتین و حضرات!

میں آپ کا اور اُن حضرات کا ممنون ہوں جنھوں نے میری علالت کے بارے میں تردد کا اظہار کیا۔ مجھے اتنے پیامات اور خطوط پہنچے کہ تار یا خطوط کے ان سب کا فرداً فرداً جواب دینا میرے بس کی بات نہیں ہے۔ لیکن مجھے توقع ہے کہ آپ میری مزاج پرسی کے جواب میں میرا شکریہ قبول فرمائیں گے۔

سعی اولین۔ ہمیں کل ہند مسلم لیگ کی تنظیم و استحکام کو ابھی بہت کچھ بلندی اور اعلیٰ منزلوں تک لے جانا ہے۔ آپ کو یاد ہو گا کہ پہلی مرتبہ ۱۹۳۶ء میں بمقام بمبئی مسلم لیگ کی نشاۃ ثانیہ کا سنگِ بنیاد رکھا گیا تھا۔ اب پانچ برس بیت گئے اس پانچ سالہ دور کو میں ہماری پنجسالہ منصوبہ بندی کہوں گا۔ ہر شخص بے حیل و حجت مانتا ہے کہ ہم ایک سرے سے دوسرے سرے تک سارے اسلامی ہندوستان کو منظم کرنے میں بڑی حد تک کامیاب ہو گئے۔ حق تو یہ ہے کہ سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد سے آج تک مسلم ہندوستان کبھی اس قدر منظم، زندہ اور سیاسی شعور کا حامل نہیں تھا، جیسا کہ آج ہے۔

ہم نے اپنا ایک پرچم بنا لیا۔ مسلم ہندوستان کا قومی نشان! ہم نے ایک قابلِ اعتنا مرکز قائم کیا۔ جو مسلم ہندوستان کی قوت استحکام اور اتحاد کو

آشکارا کرتا ہے۔ ہم نے نہایت سلیس وسادہ زبان میں اپنے اس مقصد کی تشریح کر دی جس کے لئے مسلم ہندوستان ابھی تک اندھیرے میں ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ ہمارا مقصود پاکستان ہے! ہماری تمام سعی اور جانفشانی میں جنوبی ہند نے ناقابل فراموش خدمات انجام دیں، میں جانتا ہوں کہ آپ کی راہ پُر خطر ہے، سیکڑوں روڑے ہیں۔ یہ ہفت خوان طے کرنے سے کم نہیں ہے، میں نے آپ کے تمام بڑے اور اہم قصبات سے بھی قریبی تعلق پیدا کر لیا ہے۔ شخصی اور ذاتی طور پر نہیں بلکہ تار اور ڈاک کے ذریعہ میں نے کافی مطالعہ کیا۔ اور جنوبی ہند میں مسلم لیگ کی تنظیم وضبط ونظم کو بڑی مسرت کے ساتھ دیکھا، واقعی آپ نے نشوونما حاصل کر لی۔ اوپر سے نہیں بلکہ بنیاد مضبوط کر لی، صرف ایک سال قبل آپ نے یہ مہم شروع کی تھی اور آج آپ نے تمام صوبے میں مسلم لیگ کو ایک بلند اور ذی عزت مقام پر کھڑا کر دیا۔ اس کے لئے بہتوں ... نے مشقت جھیلی۔ مجھے باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا۔ اور مجھے یہ ماننا پڑتا ہے کہ اس صوبے کے ۷۰ فیصد مسلمانوں نے اپنے آپ کو منظم کر لیا اور لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں دوسرے صوبے نہ پہنچ سکے ــــ یہ ہے ہماری گزشتہ پنج سالہ منصوبہ بندی!

نیا نظام۔ ملک کے اندر مسلم لیگ کے وقار کو بلند کرنے میں ہم بڑی حد تک کامیاب رہے! اور آج اس کی آواز دنیا کے دور دراز گوشوں تک پہنچ گئی ہے تو اور کیا باقی ہے؟ آپ کو جاننا چاہیئے کہ ہم اس وقت نہایت پر آشوب دور سے گزر رہے ہیں اور یہ بھی فراموش نہ کرنا چاہیئے کہ ہندوستان کے

اندرو باہر مختلف قوتیں کام کر رہی ہیں۔ کوئی شخص اپنے مقصد میں اُس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ محنت نہیں کرتا۔ اور سخت محنت نہیں کرتا۔ اب ضرورت ہے کہ ہم کچھ سوچیں۔ خصوصاً میں کل ہند مسلم لیگ کے مندوبین سے جو ملک کے مختلف حصّوں سے جمع ہوئے ہیں اپیل کرتا ہوں کہ اب ہمیں آئندہ پانچ سالہ نظام العمل پر غور و فکر اور نظر ثانی کرنی چاہیئے۔ اس منصوبے کا ایک جز تو یہ ہونا چاہیئے کہ کیونکر جلدی اور کس بہتر طریقہ پر ہندوستانی مسلمانوں کی زندگی کے شعبوں کی تعمیر کی جائے۔ یہ شعبے کونسے ہیں؟ یہ چار اہم ستون ہیں، پہلے تو ہم ایک موزوں اور مفید تعلیمی منصوبے پر غور کریں گے علم معلومات اور روشن دماغی نے لوگوں کو بڑا بنا دیا۔ دوسری چیز آپ جانتے ہیں کہ سارے مسلمان معاشی اور معاشرتی اعتبار سے بہت پیچھے اور نیچے ہیں، دوسری قوموں سے مقابلہ کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان بالکل تہہ میں ہیں۔ مدراس بہت بڑا صوبہ ہے۔ کوئی بتا سکتا ہے کہ یہاں مسلمانوں کی معاشی حیثیت کیا ہے؟ ہو سکتا ہے کہ میری معلومات محدود ہوں لیکن جب سے میں یہاں آیا، برابر پوچھتا رہا اور پہلے بھی دریافت کیا تھا تو یہی پتہ چلا کہ ہر جگہ کے مسلمان بیڑی اور چمڑے صرف دو صنعتوں میں لگے ہوئے ہیں ——— بہ الفاظ دیگر بیڑی والے اور چمڑے والے! میں پوچھتا ہوں کہ آپ صرف بیڑی والے اور چمڑے والے بننا چاہتے ہیں یا اس صوبے کی ترقی، تجارت، صنعت و حرفت میں کوئی اہم حصّہ لینا چاہتے ہیں؟

چوتھی اہم چیز سیاسی تربیت ہے جب کہ مسلمانوں نے اس خصوص

میں اس قدر ترقی کر لی ہے کہ وہ لاکھوں اور کروڑوں کی تعداد میں لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔ جبکہ ان کا سیاسی شعور بیدار ہو گیا، جب کہ وہ محسوس کرتے ہیں کہ انھوں نے عزت نفس، خودداری، قومی وقار اور عزت حاصل کر لی ہے تو پھر انھیں پوری طرح مسلح باضابطہ صف آرا اور ایسی سیاسی تربیت دینی چاہیئے کہ وہ اپنی منزل کی طرف بے جھجک بڑھنے کے قابل ہو جائیں۔ قوم کے ہر فرد کو ایک تربیت یافتہ سیاسی سپاہی بن جانا چاہیئے۔ میں چاہتا ہوں کہ جس طرح فوج میں لفٹنٹ، کرنل، کپتان اور میجر کے ساتھ ساتھ سپاہی بھی ہوتے ہیں۔ بالکل اسی طرح ہمارے اندر بھی سیاسی سپاہی اور عہدہ دار پیدا ہو جائیں۔ ان سپاہیوں کو سیاسی علوم، سیاسی زبان اور سیاسی افعال کی ایسی ماہرانہ تربیت دینی چاہیئے کہ وہ وقتاً فوقتاً پیدا ہونے والے عارضی خطرات سے بے جھجک کر لے سکیں ہماری منزل۔ لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں۔ ہماری منزل کیا ہے؟ آج میں بہ بانگ دہل کہدینا چاہتا ہوں کہ ہماری منزل کیا ہے۔ بہت سارے لوگ ایسے ہیں جنھوں نے ابھی تک نہیں سمجھا یا غلط فہمی کا شکار ہو گئے۔ یا پھر انھوں نے سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ جاہلوں کی ایک جماعت، مسلمانوں میں نہیں —— الحمدللہ —— واقعی حیرت انگیز بات ہے کہ ہر وقت ہماری قرار دادوں اور فیصلوں کو مسخ کر کے پیش کیا گیا، لیکن آج میں اپنی منزل کا پتہ دیتے ہوئے اپنے موقف کو واضح کر دینا چاہتا ہوں۔ تاکہ غلط فہمی کا کوئی شمہ لگا نہ رہے اور کوئی ذہین ہندوستانی چاہے وہ کسی فرقہ اور قوم کا ہو ظن وگمان کا شکار نہ ہونے پائے۔ مسلم لیگ کا مقصود

کیا ہے؟ کیا نصب العین ہے لیگ کا؟ میں مقدور بھر کوشش کروں گا کہ آپ کو صاف صاف بتا دوں واضح کر دوں کل ہند مسلم لیگ کا تصور؟ کل ہند مسلم لیگ کی علتِ غائی یہ ہے کہ ہم ہندوستان کے شمال مغربی اور مشرقی منطقوں میں امورِ خارجہ، دفاع، رسل و رسائل، جنگی، زر اور تبادلہ وغیرہ کے پورے اختیارات کے ساتھ مکمل خود مختار مملکت قائم کرنا چاہتے ہیں، ہم کسی حال میں اور کسی شرط پر بھی ایک مرکزی حکومت کے ساتھ کل ہند خصوصیات کے کسی دستور کو قبول کرنا نہیں چاہتے ہیں اس سے قطعی اتفاق نہیں ہے، اگر ایک بار قبول کر لیا جائے تو یقین مانیئے مسلمان زندگی سے محروم کر دیئے جائیں گے۔ ہم اپنے شمال مغربی اور مشرقی منطقوں میں اپنے قومی اوطان کی حد تک کسی مرکزی حکومت اور قوت کے فریق کی حیثیت رہنا نہیں چاہتے۔ کوئی قبائلی حیثیت ہمیں منظور نہیں ہے۔

گاجر اور خچر۔ مجھے افسوس کے ساتھ کہہ دینا پڑتا ہے کہ ہندو قائدین کو برطانوی حکمتِ عملی اور حکومت بیوقوف بنا رہی ہے۔ انھیں جھانسا دے رہی ہے، اور متحدہ ہندوستان کے دستور اور جمہوریت کا فریب دے رہی ہے ——— اس لئے خچر کے سامنے دو گاجریں لٹکا دی ہیں ——— جمہوریت اور دستور! میں ہندو قائدین سے کہتا ہوں کہ اگر اب بھی انھوں نے نہیں سمجھا تو گویا تدبر اور سیاست کا آخری جوہر بھی کھو دیا حکومت برطانیہ جانتی ہے کہ مسلم ہندوستان ایک مرکزی حکومت کے ساتھ کل ہند دستور کے لئے کبھی راضی نہ ہو گا۔ اور برطانی مدبرین خوب

واقف ہیں کہ اس ملک کے لئے جمہوریت اور پارلیمانی طرز حکومت بالکل لغو اور بے معنی ہے۔

جمہوریت یا لغویت۔ بعض لوگوں کا اعتراض ہے کہ مسلمان ایک ایسی حکومت کی مخالفت کر رہے ہیں جس کی بنیاد عام انسانی برادری پر رکھی جائے گی لیکن واقعہ یہ نہیں ہے۔ بارہا لوگوں نے اسلام اور جمہوریت کو خلط ملط کر دیا، افسوس تو یہ ہے کہ وہ لوگ جو ان مسائل پر گفتگو کرتے ہیں خود ہی نہیں سمجھ سکتے کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ جمہوریت کے معنیٰ تو اکثریت کی حکومت ہے! اکثریت کی حکومت یکساں سماج میں ممکن ہے۔ اگرچہ کہ یہ وہاں بھی ناکام رہی۔ نمائندہ حکومت تو صرف ایک قوم اور ایک معاشرے میں قائم کی جا سکتی ہے۔ آپ خود چند منٹ دماغ پر دباؤ ڈال کر حقیقت پر غور کیجیے۔ کیا اس قسم کی کوئی حکومت ایسی جگہ کامیاب ہو سکتی ہے جہاں دو مختلف قومیں آباد ہوں، بلاشبہ اس برِ اعظم میں تو دو سے زیادہ قومیں بستی ہیں، اور جبکہ آپ کے دو سماج ہیں —— ہندو سماج اور مسلم معاشرہ! اور اس ملک (جنوبی ہند) میں تو ایک اور قوم دراوڑی ہے۔

یہ خطّہ دراصل دراوڑستان ہے۔ ذرا سوچیے تو یہ ۳ فیصد اعلیٰ ذات کے برہمن اپنے ہنرمندانہ طرز انتخاب اور شاطرانہ چالوں سے کیا اکثریت کا تحفظ کر سکتے ہیں؟ کیا یہی جمہوریت ہے، یا پھر لغویت؟ غیر برہمنوں سے مجھے پوری پوری ہمدردی ہے۔ میں ان سے کہتا ہوں کہ تمہاری بقاء کا صرف ایک ہی راستہ ہے کہ تم اپنی اپنی تہذیب، اپنی روایات اور اپنی زبان —— خدا کا شکر ہے کہ ہندی یہاں نہیں پہنچی —— کے ساتھ

آزادی سے زندہ رہو اور اپنی تاریخ کے مطابق ——— آگے بڑھو! مجھے تم سے پوری پوری ہمدردی ہے، میں ہر طرح تمہاری مدد کروں گا، تم اپنے اس علاقے میں دراوڑستان قائم کرو، اس صوبے کے ، فیصد مسلمان اپنی دوستی کا ہاتھ آگے بڑھائیں گے اور تمہارے ساتھ مل کر نہایت امن، انصاف، رواداری اور مساوات کے ساتھ زندہ رہیں گے۔

اقلیتوں کا تحفظ۔ جہاں کہیں بھی اقلیتیں ہوں گی، ان کے لئے تحفظات ضروری ہیں، مجھے یقین ہے ——— اور میں سمجھتا ہوں کہ میرا ایقان غلط نہیں ہے ——— کوئی حکومت اور کوئی مملکت اقلیتوں کو اعتماد اور تحفظ کی یقین دلائے بغیر کامیابی کا ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھا سکتی۔ کوئی حکومت ناانصافی اور جانبداری کے ساتھ زندہ نہیں رہ سکتی۔ اقلیتوں کے ساتھ غیر منصفانہ اور جانبدارانہ حکمت عملی اور لائحۂ عمل اختیار کر کے کوئی حکومت ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اقلیتوں میں انصاف اور مساوات کا احساس و یقین پیدا کرنا ہی ہر انتخابی طرز حکومت کی عین آزمائش ہے۔ اس خصوص میں ہم دُنیا کے کسی متمدن ملک سے کسی صورت میں پیچھے نہیں رہ سکتے۔ مجھے یقین ہے کہ جب وقت آئے گا تو ہمارے قومی وطن کی اقلیتوں کو معلوم ہو جائے گا کہ ہماری روایات، اسلامی تعلیمات اور وراثت ہمیں نہ صرف مساوات، رواداری اور انصاف پر آمادہ کریں گی۔ بلکہ انھیں ہماری کریم النفسی اور عالی ظرفی کا ثبوت بھی مل جائے گا۔ ہم مول تول نہیں کرینگے لین دین پر تمہیں یقین ہے۔ ہم صرف عمل پر بھروسہ کرتے ہیں۔ تدبر اور عملی سیاست کا یقین رکھتے ہیں۔

آزاد قوم۔ لیگ کے تصورات واضح کر دیئے گئے لیکن دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو دہرانے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ خاص طور پر ہندو صحافت کا ایک طبقہ بار بار یاد دہانی چاہتا ہے۔ تاکہ وہ ہماری غلط ترجمانی نہ کر سکے میں پورے وثوق کے ساتھ کہتا ہوں کہ لیگ کے تصورات کی بنیاد اس اصول پر ہے کہ ہندوستان کے مسلمان ایک آزاد ـــــ اور خود مختار قوم ہیں۔ ان کے سیاسی وجود کو ضم کرنے کی ہر کوشش کی نہ صرف مخالفت کی جائے گی۔ بلکہ میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ اس قسم کی تمام مساعی ناکام رہیں گی۔ ہم نے تہیہ کر لیا ہے کہ اس ذیلی براعظم میں ایک خود مختار قومی حیثیت کی تعمیر اور خود مختار مملکت کا قیام کوئی غلط اقدام نہیں ہے۔

حکمت عملی۔ اب میں ہماری داخلی، خارجی اور بین الاقوامی حکمتِ عملی کی وضاحت کروں گا۔ ہماری حکمتِ عملی یعنی کل ہند مسلم لیگ کی حکمتِ عملی مساوات انصاف، رواداری اور آزادی کی بنیادوں پر دوسروں سے ہم آہنگی اور دوستی پیدا کرنا ہے۔ اس کے حصول کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ دوسرے فرقوں جماعتوں اور مملکتوں سے باہمی معاہدہ کر کے مملکتوں اور دیگر ریاستوں کے عوام کے اجتماعی تحفظ اور ترقی کا خیال رکھیں اور سب کے سب ایک قوم کے افراد کی طرح باہمی حقوق و مفادات کا احترام اور حفاظت کریں۔ ایک دوسرے پر سیاسی برتری، نسلی رقابت اور اقتدار و حکومت کا یہ جذبہ ختم کر دینا چاہیئے ـــــ جس قدر جلد ہم ان جذبات سے الگ ہو جائیں گے ہندوستان کا حل اتنا ہی ہم سے قریب ہو جائے گا۔

تعطل۔ ایک اور چیز جو ہمارے لئے پریشان کن ہے اسے عرف عام میں

سیاسی تعطل کہا جاتا ہے۔ ہمیں ذرا انصاف کی نظر سے دیکھنا ہے کہ اس سیاسی تعطل کا ذمہ دار کون ہے؟ مشکل تو یہ ہے کہ ہمارے ملک والوں میں حق و صداقت کے اظہار کی جرأت ہی نہیں ہے۔ جب وہ غیر جانبداری کا اظہار کرتے ہیں تو کسی جماعت کو کھلم کھلا جھٹلا نہیں سکتے۔ میں بے شک سمجھ گیا کہ ایک جماعت دوسری جماعت کو محض جماعتی تعصب اور جذبۂ رقابت کے تحت الزام دیتی ہے۔ پھر بھی یہ کہنے کی گنجائش ہے کہ آپ کی جماعت کے سارے اعمال و افعال حق و صداقت پر مبنی ہیں اور دوسری جماعت کا ہر قدم عیوب و گمراہی کی مہر! آخر کس کو مورد الزام ٹھیرایا جا سکتا ہے؟ آپ جانتے ہیں کہ اعلان جنگ کے بعد سے ہم نے اسے پسند کیا یا نہیں، ہم نے سراہا یا نہیں، لیکن اس میں پھنس گئے اور اب ہمارا ملک جنگ کا حمایتی بن گیا۔ دن بہ دن، ہفتہ بہ ہفتہ رونما ہونے والے واقعات آپ سے چھپے نہیں ہیں، اور فطری طور پر ہم اپنے ملکی مفاد سے باشعور ہو گئے —— ملک کی مدافعت، بلاشبہ اپنے گھر بار کی حفاظت، بال بچوں کا تحفظ ہی اہم خیال تھا۔ آغاز جنگ کے ساتھ ہی ہم نے اپنا موقف واضح کر دیا تھا۔ یہ کوئی میری اپنی کہاوت نہیں ہے، بلکہ کل ہند مسلم لیگ کی مجلس عاملہ، مجلس شوریٰ اور آخر میں لیگ کے پورے اجلاس نے اسے واضح کر دیا تھا۔ کیا صورت حال تھی اُس وقت؟ میں ممکنہ طور پر مختصر کہوں گا۔ جب یہ جنگ شروع ہوئی تو آغاز جنگ کی بُری خبر کے ساتھ ایک خوشخبری بھی ملی۔ وہ یہ تھی کہ ہز مجسٹی کی حکومت نے قانون ۳۵ء کی کل ہند وفاقی اسکیم کو

ملتوی کر دیا تھا، یاد رکھیئے صرف ملتوی کی گئی۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ ہمارے انگریز دوست سیاسی میدان میں کتنے چالاک ہیں، اور ہمیں یہ بھی معلوم تھا کہ جو چیز آج ملتوی ہو گئی ہے وہ پھر کسی وقت بھی جاری کی جا سکتی ہے اس لئے ہمارا سب سے پہلا مطالبہ یہی تھا کہ اس تجویز کو نہ صرف ملتوی رکھا جائے بلکہ پوری طرح اس کا خاتمہ کر دیا جائے۔ ایک طویل مراسلت اور ملاقاتوں کے بعد حکومت برطانیہ نے اپنے نمائندۂ تاج کے ذریعہ اعلان کیا کہ ہندوستان کے آئندہ دستوری مسئلہ اور اس حکمتِ عملی اور منصوبے کی جس پر حکومتِ ہند کے قانون ۱۹۳۵ء کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ از سرِ نو تنقیح کی جائے گی۔ واقعی یہ بہت بڑی نجات تھی۔ کیونکہ یہ وہ شر انگیز اور خطرناک حکومت تھی جو حکومت ہند کے قانون ۱۹۳۵ء سے تعلق رکھتی تھی اور جس کے خلاف مسلم ہندوستان ابتدا ہی سے جنگ کر رہا تھا جب اسے مسترد کر دیا گیا تو ہمیں ایک بھیانک خطرے اور عظیم مصیبت سے نجات مل گئی۔

آرزوئے خام۔ ایک اور تردد ہمیں یہ تھا کہ ہماری تمام کوششوں کے باوجود مسلم لیگ کانگریس کی طرح مستحکم اور طاقتور نہیں ہوئی تھی۔ میں بلاخوف تردید کہہ سکتا ہوں کہ کانگریس سے مراد سو فی ہندو ادارہ ہے جس کے ساتھ بہت سی شاخیں، ذیلی جماعتیں اور ان کے بچے مثلاً ہندو مہاسبھا کل ہند، ہندو لیگ، اعتدال پسند اور دیگر چھوٹی ٹکڑیاں ہیں، یہ سب ایک ہی ہیں۔ میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ باعتبار وجود ایک ہیں بلکہ کانگریس کے اعمال و افعال کی توثیق و تصدیق میں سب متفق رہتے ہیں،

اس کی ہر آواز پر لبیک کہتے ہیں۔ لیکن درحقیقت جس ادارے نے ہندو ہندوستان کی نمائندگی کی وہ صرف کانگریس ہے۔

درحقیقت آپ جانتے ہیں کہ جب آغاز جنگ کا قرینہ تھا تو کانگریس کی مجلس عاملہ کئی دنوں تک دہلی میں چوکس بیٹھی رہی۔ جیسے وہ کھلم کھلا بتلا دینا چاہتی تھی کہ ان کی زندگی کا یہی بہترین موقع ہے جب کہ وہ برطانوی حکومت پر دباؤ ڈالنے اور اسے مجبور کر کے اپنی دیرینہ تمناؤں کو پورا کرنے میں کامیاب ہو جائیں گی۔ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ!

حق تنسیخ۔ ہمیں معلوم ہو گیا تھا کہ مضبوط اور قومی ادارہ کانگریس منتظر تھا اس لئے ہم نے چاہا کہ اس خصوص میں برطانیہ پر اپنے آئندہ دستوری موقف کو واضح کر دیں۔ ہم نے مطالبہ کیا تھا کہ مسلم ہندوستان کی رضامندی اور توثیق کے بغیر کوئی عارضی یا مستقل دستوری تبدیلی نہ کی جائے۔ آخر طویل مراسلت اور کئی ملاقاتوں کے بعد وائسرائے کے ۱۴۔ اگست والے اعلان کی مسٹر ایمری نے ملک معظم کی حکومت کی جانب سے ۱۰۔ اگست کو تشریح کی۔ اس کا صریح مطلب یہی تھا کہ ہماری رضامندی کے بغیر پارلیمان کوئی دستور یا کسی دستور میں عارضی یا مستقل تبدیلی نہیں کرے گی۔ کیا نتیجہ نکلا؟ نو کروڑ مسلمانوں کے ساتھ کھلم کھلا انصاف ہی تو ہے! کانگریس دیانت داری اور انصاف سے دعویٰ کر سکتی ہے کہ وہ برطانی حکومت کے مرتبہ دستور کو انگریزوں کی مدد سے مسلمانوں پر عائد کر سکتی ہے۔ اور کیا مسلمان اسے بے چون وچرا قبول کر لیں گے؟ یہ سب کو اس

اور یہ پاگل پن نہیں تو اور کیا ہے؟ کیا مطلب ہے اس کا؟ اس کا مفہوم مسلم لیگ کی منسوخی، جناح اور مسلم لیگ سب کے لئے ایک جمہوریت پسند منشور کے سوا کچھ نہیں ہے۔ لیکن مجھے یہ بھی بتا دو کہ اس کا بدل کیا ہوگا، میں تو ایک لمحہ کے لئے بھی اسے تنسیخ نہیں مانتا، دوسرا مسئلہ کیا ہے، ہمیں اسے پورا کر لینے دو لفظ کے ادنیٰ قانونی مفہوم کے اعتبار سے اس کا معنیٰ صرف میری تنسیخ نہیں ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دستور کی تشکیل میں مسلم لیگ ایک انتخاب کنندہ عنصر ہے اور دستور کی تدوین کے لئے اس انتخاب کنندہ عنصر کی رضامندی اور توثیق ضروری ہے۔ ملک کے ۹ یا ۱۰ کروڑ عوام کی انتخاب کنندہ جماعت کی رضامندی کے بغیر کیونکر تم ایک دستور تشکیل دو گے؟ یہ تنسیخ اور جمہوریت پسند قانون کا سوال نہیں ہے بلکہ عین انصاف ہے کہ ہمیں انتخاب کنندہ عنصر تسلیم کر لیا گیا ہے۔ برطانی حکومت نے سچ کہا ہے کہ "پہلے آپ اپنا تصفیہ کر لو" مسلم لیگ سے سازش کر کے ہندو برطانی حکومت کا ساتھ کیسے گوارا کریں گے۔ بنا لو ایک دستور کانگریس اور ہندوؤں کی رضامندی کے بغیر؟ دوسرا جز تو مسلمانوں کے ساتھ صریح انصاف کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔

ایک اور چیز جنگ ہے۔ واقعی غور و فکر کے لئے اہم اور تھکا دینے والا موضوع ہے۔ لیگ کے آگے بڑھنے کا کیا موقف تھا؟ یہ تھا گزشتہ سال ہم نے جون میں بمبئی سے حکومتِ ہند پر دباؤ ڈالا تھا پاکستان والی قرارداد لاہور کے بالکل بعد کا واقعہ تھا۔ اور یہی سب کچھ ہم نے کہا۔

یادداشت۔ جولائی ۱۹۴۰ء میں ہز ایکسلنسی وائسرائے نے مجھے ملنے کیلئے

بلایا تھا۔ میں نے اس وقت بھی یہی کہا تھا کہ ملک معظم کی حکومت کو ایسا کوئی اعلان اور بیان جاری نہیں کرنا چاہیئے جو قرار داد لاہور کے بنیادی اصول تقسیم ہند اور شمال مغربی اور مشرقی منطقوں میں مسلم مملکت کے قیام کے منافی ہو اب تو بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ سارے مسلم ہندوستان کا یہی ایک ہمہ گیر عقیدہ بن گیا ہے۔ ہز مجسٹی کی حکومت کا فرض ہے کہ وہ ہندوستانی مسلمانوں کو اس بات کا قطعی اور غیر مشروط یقین دلائے کہ مسلم ہندوستان کی رضامندی کے بغیر حکومت برطانیہ کوئی عارضی یا مستقل دستور نافذ نہیں کرے گی۔ یورپ کے تیزی سے بدلتے ہوئے حالات اور اس عظیم خطرے کے مدنظر جو آج ہندوستان کی سرحدوں سے ٹکرا رہا ہے۔ یہ پوری طرح مان لیا گیا ہے کہ ہندوستان کے داخلی تحفظ، امن اور مساوات کو برقرار رکھنے اور بیرونی حملوں کی مدافعت کے لئے تمام ہندوستانی وسائل و ذرائع سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی ممکنہ تدابیر اختیار کی جائیں گی۔ لیکن یہ صرف اسی وقت ممکن ہے جب کہ حکومت برطانیہ مرکزی اور صوبہ واری حکومتوں میں مسلم قیادت کو مساوی حقوق دیدے۔ تمام صوبوں میں مسلم قیادت کے ساتھ مساوی دوستانہ سلوک کیا جائے اور مرکزی و صوبہ واری اختیارات میں برابر کے حقوق دیئے جائیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ غور فرمائیں، ہم نے جولائی سنہ ۱۹۴۰ء میں کیا تجویز کی تھی؟ کیا وہ یہی ہے کہ موجودہ قانون اور موجودہ دستور کے خاکے ہی میں وائسرائے کی مجلس عاملہ کا اضافہ کیا جائے؟ نہیں، آگے چل کر بیان کیا جائے گا۔ لیکن اگر کانگریس حصہ لے تو یہ سمجھ جانا چاہیئے کہ مسلم نمائندگی بالکل ہندوؤں کے برابر ہوگی۔ برخلاف

اس کے ذیلی تعداد کے اعتبار سے ان کی اکثریت ہو گی اور ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں سارا بوجھ اور اہم ذمہ داری مسلمانوں ہی کو برداشت کرنی پڑتی تب ہم نے کہا کہ ان صوبوں میں جہاں دفعہ ۹۳ نافذ ہے غیر سرکاری رائے دہندوں کو مقرر کیا جائے۔ ان کی تعداد بحث کے بعد معین کی جائے گی۔ اور غیر سرکاری رائے دہندگان کی اکثریت مسلمانوں کی نمائندہ ہو گی۔ جہاں جماعتی اتحاد پر صوبے کام کر سکتے ہیں، وہاں فطری طور پر جماعتیں سمجھوتے سے معاملات طے کریں گی۔ اس کے بعد ہم نے جنگی کونسل کی تجویز پیش کی جس کا اہم منشا ہندوستانی والیان ریاست اور ریاستوں کو انصرام جنگ کی مساعی میں نمایاں حیثیت دینی تھی۔ کیونکہ یہ چیز گورنر جنرل کی مجلس عاملہ میں نہیں آ رہی گی۔

چہ دلاور است۔ آئیے، دیکھیں کانگریسی کیا کہتے ہیں، کانگریسی صحافت اور بعض کانگریسیوں نے بارہا کہا کہ مسلمان سامراج کے دوست ہیں میں سمجھتا ہوں کہ جب انھیں مسلمانوں کے مطالبے کو جھٹلانے کے لئے کوئی دلیل نہیں ملتی تو وہ ہمیں گالیاں دینے لگتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں "تم سامراج دوست ہو" یا پھر جناح بہت زیادہ جاہ طلب ہیں، اگرچہ وہ دل سے قوم پرست ہیں لیکن اب فرقہ پرست بن گئے ہیں، کیونکہ انھیں لیڈری کی تمنا ہے۔" اس طرح انھوں نے ہمارے منشاء کی تاویل کر کے ہمیں کوسنا شروع کیا۔ اگر آپ ان کے سامنے کوئی معقول بیان اور دلیل پیش کریں تو ہندو اخبارات میں جلی سرخیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور انھیں یوں نمک مرچ لگائی جاتی ہے۔ "جناح کا پرجوش خطبہ" "مسلم لیگ کی ملامت" وغیرہم۔ جس وقت آپ ان سے

اتفاق نہیں کرتے اور بد قسمتی سے ہندوستانی مفاد کے بارے میں کوئی دوسرا زاویۂ نظر نہیں رکھتے تو فوراً ہدفِ ملامت بن جاتے ہیں۔ آپ ایسے لوگوں سے کیا سمجھوتہ کر سکتے ہیں جنہوں نے ایسی مفلوج اور گھناؤنی ذہنیت کو پروان چڑھایا ہے؟

کیا ہم نے کبھی اور کہیں یہ کہا ہے کہ ہمیں آج اسی وقت اور اسی جگہ پاکستان چاہیئے؟ لیکن لوگ نہیں جانتے تھے کہ کس نے غلط بیانی سے کام لیا اور کہا کہ تجویز پاکستان ملتوی ہو گئی، اسے علیحدہ رکھ دیا گیا یہ اس جماعت کا صرف خوش آیند تخیل ہے جس کے قدم دلدل میں اتنے گہرے ہیں کہ وہ اب اس دوسری جماعت پر تلوّن مزاجی کا بہتان باندھنے کا حیلہ تلاش کر رہی ہے جو ابتدا سے بالکل ایک سی رہی ہے۔ کیوں صاف صاف نہیں کہدیتے کہ تم نے غلطی کی۔ اور اب تم بھی ہماری صف میں شامل ہونے کے لئے تیار ہو۔

غدّاری۔ یہ مذموم پروپیگنڈا اور گھناؤنا طریقہ جو اختیار کیا گیا اور جس انداز میں ہم پر حملے کئے جا رہے ہیں، وہ نہ صرف اس ملک کے عوام اور صحافت پر اثر ڈال رہے ہیں، بلکہ حیرت وتعجب تو یہ ہے کہ برطانوی صحافت بھی غلط فہمی کا شکار ہو گئی۔ برطانوی صحافت کی روحِ رواں، برطانوی اخباروں کے پھولوں کا پھول موقر روزنامہ "ٹائمس" نے میرے اظہار تعجب پر یکم اپریل کو ——— یہ بیوقوفوں کا دن ہے ——— اور یہ بھی بیوقوف بنایا گیا ——— لکھا ہے۔

جب ان تجاویز پر ردِّ عمل کے طور پر ملک کے مختلف حصّوں سے

مخالفت کی گئی تو صاف ظاہر ہے کہ بڑی حد تک صحافت کا عام تبصرہ یہی ہو سکتا ہے کہ وہ سیاسی صورت حال پر نظر ثانی کا موقع دینا چاہتے ہیں، مرکزی اسمبلی میں مسٹر جناح کا حالیہ بیان کہ مسلم لیگ دوبارہ تشکیل شدہ عاملہ سے تعاون کرنے پر آمادہ ہے بشرطیکہ جنگ کے فوری بعد ان کی تجویز تقسیم ہند پر غور کر کے دونوں جماعتوں کے عارضی مفاہمت کے لئے آسان تر صورت نکالی جائے۔"

برطانوی اخباروں کے سفیر اعلیٰ سے میں صرف یہ کہوں گا کہ یہ ایسی ناشکر گزاری ہے جو ایک غدار کے بازو سے زیادہ خطرناک اور مہلک ہے کیوں ہمیں یہاں اور ابھی پاکستان کا مطالبہ نہیں کرنا چاہیئے؟ صرف ایک وجہ ہے۔ ہم حکومت برطانیہ کو خصوصاً ایسے وقت جبکہ وہ خود اپنی موت و زیست کی گتھی سلجھا رہی ہے پریشان کرنا نہیں چاہتے! اسی لئے ہم نے کہا کہ حالات سازگار ہوتے ہی یا پھر جنگ کے فوری بعد ہندوستان کے دستوری مسئلہ پر نظر ثانی کی جائے گی۔ ہمارے اس طرز کو حکومت برطانیہ بجائے سراہنے اور ہماری عالی ظرفی اور شرافت پر محمول کرنے کے الٹا برطانوی صحافت خود کانگریس اور ہندو تشہیر کے ہاتھوں میں کھیل رہی ہے میں نہیں جانتا کون اس کا ذمہ دار ہے؟ ہز ایکسلنسی وائسرائے یا وزیر ہند یا ملک معظم کی حکومت یا پارلیمان یا پھر خود بادشاہ؟ لیکن ایک بار پھر میں اس مرکز سے نہایت شد و مد سے اعلان کروں گا کہ ہندوستان میں حکومت برطانیہ کی کمزور پالیسی، تذبذب، تساہل یورپ سے کہیں زیادہ مضرت رساں ثابت ہوگی۔

یوگوسلاویہ اور ہندوستان۔ دنیا جانتی ہے کہ حالات تیزی سے بدلتے جا رہے ہیں، یورپ کا نقشہ بدلتا جا رہا ہے، نقشے کو دیکھئے کیا سے کیا ہو گیا؟ محوری طاقت نے برطانی حکمتِ عملی کے خلاف کیا چارہ کار اختیار کیا؟ برطانی حکمت عملی کیا کر رہی ہے۔ وہ اپنی کمزور منفعل اور مذبذب پالیسی سے صرف دلجوئی کر رہی ہے۔ صرف دو دن قبل زیگریب پر جرمنی کے قبضے کے بارے میں کیا ہوا سرکاری خبر رساں ایجنسی کہتی ہے کہ صوبہ کروشیا کو خود مختار مملکت بنا دیا گیا۔ زیگریب لاسلکی کا بیان تھا کہ ایک کروٹ جنرل نے سرکاری، غیر سرکاری اور فوجی عہدہ داروں کو کروشیا کی نئی مملکت سے تعاون کا حلف اٹھانے کے لئے طلب کیا تھا۔ کروشیا کو آزاد صوبہ تصور کر لیا گیا واضح رہے کہ یوگوسلاویہ میں کروٹ، سالون اور سرب آباد ہیں لیکن صورتِ حال ہمارے ہندوستان سے بالکل ملتی جلتی تھی ——— دراوڑستان، پاکستان اور ہندوستان! درحقیقت سوال یہ ہے کہ آیا تم خود یہ کام کرنا چاہتے ہو یا کسی ثالث کو تمہارا باہمی فیصلہ کرنے کی اجازت دیتے ہو؟ اب تم کیا کرنا چاہتے ہو؟

حرام وحلال۔ آئیے ذرا دیکھیں کانگریس کیا چاہتی ہے؟ کانگریس نے اپنا مرتبہ بہت بڑھا لیا ہے لیکن میں ہر معمولی سمجھ بوجھ کے آدمی سے پوچھونگا کہ واقعی تم یہ سمجھتے ہو کہ کانگریس کے قائد اعلیٰ، کمانڈر اور جنرل مسٹر گاندھی نے صرف آزادیٔ تقریر کے لئے، ستیہ گرہ شروع کی ہے؟ آپ دراصل یہ محسوس نہیں کرتے کہ یہ سارا ڈھونگ محض انگریزوں پر دباؤ ڈالنے کے لئے ہے، انھیں دست برداری اور کانگریسی مطالبہ کے تسلیم کرنے کے لئے دھمکی

دی جارہی ہے۔ کانگریس کے مطالبات کیا ہیں؟ اس کا مطالبہ ہے کہ ہندوستان کی غیر مشروط خود مختاری اور آزادی کے اعلان کے ساتھ ایک مجلس دستور ساز کے ذریعہ جو بالغ رائے دہی کے اصول پر تشکیل دی جائے گی، اپنا دستور خود مرتب کرنے کے پورے اختیارات دیئے جائیں ـــــ بے شک اقلیتوں کا تحفظ بھی ہوگا، کیونکہ یہ عمل کیا جائے؟ خدا ہی بہتر جانتا ہے، میں تو نہیں سمجھ سکتا۔ یہ تھا کانگریس کا مطالبہ، اور ہندوؤں نے سمجھا تھا کہ یہ رد نہیں کیا جائے گا ـــــ لیکن برطانوی حکومت کو مسلمانوں کا مشکور ہونا چاہیئے کہ انھوں نے اسے کانگریس کی فتنہ انگیزیوں اور دام تزویر سے بچا دیا۔ مجھے یقین ہے کہ انگریز اپنے دلوں کی انتہائی گہرائیوں میں مسلمانوں کے لئے جگہ رکھتے ہیں ـــــ وہ اسے ایک طرفہ تحریک سمجھ رہے تھے۔ مسلمان جانتے ہیں کہ مطالبہ کانگریس کی منظوری مسلمانوں کی مکمل تباہی ہے، اس لئے فطرتاً مسلم لیگ نے دوسری اقلیتوں، پارسی، عیسائی اور دوسری ذیلی جماعتوں کے ساتھ مل کر اس کی پر زور مخالفت کی مسٹر گاندھی اور کانگریسی زعماء، کوئی مداوا سوچ نہ سکے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسٹر گاندھی اور کانگریس نے اپنے مطالبہ کی مخالفت کو حیرت کے ساتھ دیکھا۔ اس لئے کانگریس نے سوچا کہ اگر محاذی حملے سے انھیں اپنا مقصد حاصل نہ ہو تو پھر ایک طرفہ کارروائی شروع کرنی چاہیئے۔ ایک طرفہ اقدام کا مفہوم کیا ہے؟ میرا مطلب ایک اور قرارداد ہے۔ جوں ہی کانگریس نے کوئی قرارداد منظور کی نقاد اور ترجمان پیدا ہو گئے، جلسے کی تفصیلات اور تصریحات ہفتوں جاری رہیں، اگر تھوڑی دیر کے لئے تبصرہ نگار چپ ہو جاتے تو گز دوں لمبے بیانات

شروع ہو جاتے۔ وہ پونا سے دہلی گئی۔ دہلی سے بمبئی اور بمبئی سے واردھا اور پھر سلسلہ جاری رہا۔ اس لئے جب انھوں نے دیکھا کہ مسلم لیگ ایسی طاقت ہے جو ان کی اہرمنی شر انگیزیوں میں رکاوٹ ڈال رہی ہے تو انھوں نے دو بدو حملہ کرنے کے بجائے جانبی اقدام شروع کیا۔ پونا میں صرف نام بدل گیا ——— یہ تحریک ایک ایسا منصوبہ تھی جو پونا میں بڑے جنرل کی موجودگی میں تشکیل دی گئی۔ کیونکہ مسٹر جناح کو اس کا یقین نہیں تھا کہ مسٹر گاندھی اس میں شریک نہ تھے۔ کانگریس اپنے جنرل کو چھوڑ دینے تیار تھی بشرطیکہ حکومت برطانیہ آزادی اور خود مختاری کا اعلان کر دے۔ مستقل دستور تو جنگ کے بعد تشکیل دیا جائے گا۔ لیکن ہنگامی دستور کو مرکز میں ایک قومی حکومت ہونا چاہئیے جو مقننہ کو جوابدہ ہو گا، یہ تھی پونا کی تجویز، اور بے شک مسٹر گاندھی کا ساتھ چھوڑ دیا گیا تھا، مسٹر کرپلانی معتمد کل ہند کانگریس کمیٹی نے کہا تھا کہ وہ اپنے لیڈر کو بیچ دینے کی منزل تک پہنچ گئے ہیں، انھوں نے اپنے لیڈر اور اپنے مسلک اہمسا کو فروخت کر دیا اور شہر پونا میں دفن بھی کر دیا۔ کیونکہ اب کانگریسی مساعی جنگ میں تعاون کرنے اور جنگ جاری رکھنے کے لئے تیار تھی، یقیناً ہم کہہ سکتے ہیں کہ بھئی جو چیز واردھا میں حرام تھی وہ پونا میں حلال ہو گئی!

کچا چٹھا۔ کانگریس کا خیال تھا کہ اس کی تجویز رد نہیں کی جائے گی کیونکہ اس میں کوئی چیز لوگوں کو دھوکا دینے جیسی نہیں تھی، وہ صرف اپنے آپ کو دھوکا دے رہے تھے۔ ساتھ ہی اس صوبے کی ذہین شخصیت مسٹر راج گوپال اچاریہ جنھوں نے کسی وقت اہم اور حیرت انگیز خدمات انجام دی

تھیں۔ اپنی "مشتبہ پیشکش" پیش کی۔ انھوں نے کہا کہ ہماری مجوزہ حکومت میں ہم مسٹر جناح کو وزیر اعظم بنانے تیار ہیں اور انھیں اپنی حسب خواہش نئی کابینہ کی تشکیل کا حق رہے گا۔ کانگریس کا ایک اور پانسہ الٹ گیا۔ یہ سارا ڈھونگ محض مسلم لیگ کو فریب دینے کے لئے رچایا گیا، تھا کیونکہ وہ صرف مسلم لیگ ہی کو اپنے راستہ کا کانٹا سمجھ رہے تھے۔ اس طرح تو کوئی شخص دھوکا نہیں کھا سکتا۔ اب تو ایک مسلمان بچہ بھی ان مکاریوں کو سمجھنے لگا ہے۔ خواتین و حضرات مسئلہ پر غور فرمائیں۔ سچ مچ میں نہیں سمجھتا کہ ان کے دماغوں کو کیا ہو گیا ہے۔ پہلے تو ان کی چال بازیاں کامیاب ہو جاتی تھیں، پھر کیوں آج وہ اعتراف نہیں کر لیتے کہ اس طرح کی کوئی جعلسازی کامیاب نہیں ہو سکتی اور تم ہر وقت لوگوں کو بیوقوف نہیں بنا سکتے۔ یہ کانگریس اور صرف کانگریس ہے جو کبھی تحکم کبھی چاپلوسی اور کبھی فریب سے کام لیتی ہے اور کبھی آپ کو جھانسا دینے کی کوشش کرتی ہے۔

میں کانگریسی قائدوں اور ہندو لیڈروں سے کہتا ہوں کہ وہ اپنی روش بدل دیں۔ اب ذرا میں ذمہ دار کانگریس کے انداز تخاطب کا نقشہ پیش کروں گا۔ بابو راجندر پرشاد سے ابھی چند دن پہلے یعنی ۱۰۔ اپریل کو تجویز پاکستان کے متعلق سوال کیا گیا۔ انھوں نے کہا "کانگریس کی مجلس عاملہ نے کبھی تجویز پاکستان پر بحث نہیں کی۔ گویا مسٹر جناح نے ایسی کوئی چیز پیش ہی نہیں کی"۔ کیا آپ کو یقین ہے کہ کانگریس کی مجلس عاملہ نے تجویز پاکستان پر کبھی غور نہیں کیا؟ یہ ردح (پاکستان) تو مارچ ۱۹۴۰ء سے

ان کا تعاقب کر رہی ہے، صداقت کا اس میں کیا شائبہ ہے؟ ہر کانگریسی لیڈر نے مسٹر گاندھی کی سرپرستی میں بحث کی۔ بیانات شائع کئے۔ اور پاکستان کے متعلق جلدیں لکھ چھوڑیں۔ بابو راجندر پرشاد نے توفی الحقیقت تجویز پاکستان سے متعلق اپنے نظریوں کی وضاحت کرتے ہوئے ایک کتابچہ شائع کیا اور اب وہ کہتے ہیں کہ اس مسئلہ پر کبھی بحث نہیں کی گئی کیونکہ مسٹر جناح نے کبھی اس کا حوالہ نہیں دیا۔ میں بابو جی سے کہتا ہوں "اگر واقعی پہلے ایسا نہیں کیا گیا ہے تو اپنی مجلس عاملہ کو تجویز پاکستان پر بحث اور غور و فکر کی اجازت دے دو"

میں صرف بحث کے لئے نہیں کہتا۔ بلکہ آج بھی اگر تم میں سیاست کی ذرا بھی بو باس باقی ہے تو ایمانداری سے اپنے دماغ لڑاؤ اور بے تعصب اور احمقانہ جذبات سے الگ ہو کر سوچو۔ یہ ہے کانگریس کا کچا چٹھا!

خواب خرگوش۔ ہندو مہا سبھا تو ایک غیر اصلاح پذیر، متعصب اور بیہودہ تنظیم ہے۔ میں ان کی سیاست دانی کی ایک مثال دوں گا۔ مسٹر ساورکر صدر ہندو مہا سبھا نے پہلی سکھ کانفرنس میں اپنا پیام بھیجا تھا۔ انھوں نے زور دیا تھا کہ سکھ اپنے واجب الوصول حصہ پر قابض ہو جائیں اور مزید یہ بھی کہا تھا کہ جب مسلمان اپنے پاکستان والے خواب خیالی سے بیدار ہو جائیں گے تو وہ پنجاب میں ایک سکھستان پائیں گے۔

مسٹر ساورکر کہتے ہیں، جب سکھ مٹھی بھر تھے تو انھوں نے پنجاب کی اکثریت پر حکومت کی اور کابل تک چلے گئے۔ اب جبکہ وہ لاکھوں کی تعداد میں ہیں، کیونکہ اپنے ماضی کا ڈھول پیٹنے والی کمزور مسلم اکثریت کے

محکوم رہ سکتے ہیں۔"

کونسی تاریخ پڑھی انھوں نے؟ وہ پنجاب میں ایک سکھستان قائم کرنے کا مشورہ دیتے ہیں، وہ نہ صرف ہندو دھرم، ہندو قوم اور ہندو راج کی بات کرتے ہیں۔ بلکہ سکھوں کو سکھستان قائم کرنے پر مجبور بھی کرتے ہیں۔ اور مسٹر ساورکر کوئی معمولی آدمی نہیں ہیں، ہندو مہا سبھا کے صدر ہیں۔ (قہقہے)

وشال بھارت۔ اب میں پنڈت جواہر لال کے ۳۰۔ مارچ کے خط کا حوالہ دوں گا۔ انھوں نے کہا "دو چیزوں پر تو کبھی سمجھوتہ نہیں ہوگا تخیل پرستوں اور خیالی پلاؤ پکانے والوں کی حسب منشاء ہندوستان کا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ یہ ہمیشہ "اکھنڈ بھارت" اور "وشال بھارت" رہے گا جمہوریت ہوگی۔ یعنی اکثریت کی حکومت۔"

یہ تو صرف ہندو مہا سبھا اور کانگریسی لیڈروں کے انداز فکر کے چند نمونے ہیں جب پاکستان کا ذکر کرتے ہیں تو ہمیں سنکی، تخیل پرست اور شیخ چلی کہا جاتا ہے، لیکن جب وہ تمام ہندوستان کے لئے ہندو راج کا خواب دیکھتے ہیں تو اعتدال پسند قوم پرست ہی کہلاتے ہیں۔

حقیقت تو یہ ہے کہ اس طرح کی قیادت سے ہندو عوام کو دھوکا دیا جا رہا ہے، جب وہ یہ کہیں گے کہ وہ بے سہارا ہیں تو بات کہیں آگے نکل جائے گی۔

کٹھ پتلی۔ اب میں سپرو کانفرنس کے بارے میں کچھ کہوں گا، یہ بمبئی میں منعقد ہوئی ہے۔ آج ہی صبح میں نے اخبارات میں پڑھا کہ مسٹر ساورکر اور ہندو

مہاسبھا کی مجلس عاملہ نے کانفرنس سے روگردانی کی اور اس کے فیصلے سے انکار کر دیا۔ سر تیج بہادر سپرو نے اپنی یادداشت میں بتایا کہ کانفرنس سے کئی ہندو مہاسبھائی لیڈروں نے اتفاق کیا۔ لیکن مسٹر ساورکر نے تردید کر دی میں سمجھتا ہوں کہ اس دنیا میں قدم رکھنے سے پہلے سر سپرو عرصے تک ایک سیاسی یتیم کی زندگی بسر کرتے رہے۔ یہ سیاسی یتیم اب مداری کے چھوکروں کے ہاتھوں میں ناچنے لگا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ ایک ذہین اور مدبر انسان کی طرح صرف تنہا وہی ہندوستان کو اس عظیم خطرے سے بچا سکتے ہیں۔ ان کا ارادہ نیک ہے لیکن اندیشہ ہے کہ سپرو کانفرنس بالکل اس ولندیزی فوج کی طرح تھی جہاں تمام جنرل تھے اور کوئی غیر سرکاری عہدہ دار نہیں تھا، میرا خیال ہے کہ ان تمام کہنہ مشق اور اعلیٰ دماغ ہندو لیڈروں میں کسی نے اگر صحیح جواب دیا اور ٹھیک رہبری کی تو وہ صرف سر چمن لال سیتلواد ہیں۔ اگر سپرو ان کا ساتھ دیدیتے تو ممکن ہے وہ بچ جاتے لیکن میں ان کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں جن کو پیچھے سے تار کھینچنے والوں نے منظر عام پر لا کھڑا کیا بمبئی کی تجاویز صرف بدلے ہوئے پیمانوں کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ قومی حکومت کے لئے تجویز پونا کی دوسری اشاعت اور ایک دوسرے حملے سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ اگر آپ روئداد پڑھیں تو سارے شکوک رفع ہو جائیں گے سر تیج بہادر قطعی غلط راستے پر ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ وہ پس پردہ رہ کر تار ہلانے والوں کے ہاتھوں زبردستی پکڑے گئے، بالکل جاپانی پتلے کی طرح!

تنبیہہ۔ میں نے آپ کا بہت وقت لے لیا۔ اب میں صرف ایک اشارے کے بعد ختم کر دوں گا۔ یہ اشارہ حکومت برطانیہ کے لئے ایک تنبیہہ ہے، کیونکہ

بہر حال وہ اس ملک پر قابض ہے اور حکومت اس کے ہاتھ میں ہے :۔
مُہربان آپ ان لوگوں کی دلجوئی نہ کیجئے جو مساعیِ جنگ میں روڑا ڈالنا چاہتے ہیں اور اس پُر آشوب دور اور نازک وقت میں ہندوستان کی مدافعت اور جنگ جاری رکھنے کی مخالفت کر رہے ہیں۔ کیا آپ انھیں اب یا جنگ کے بعد کسی اعلیٰ اعزاز اور اقتدار سے سرفراز کرنا چاہتے ہیں؟ آپ اس ملک کے اندر اپنی حکمتِ عملی کے سنگِ بنیاد کو بدل دیجئے۔ آپ اُن سے وفاداری کرنا چاہتے ہیں جو آپ کی پیٹھ میں خنجر مارنا چاہتے ہیں۔ صحیح معنی میں آپ ان کی دل جوئی کرنا چاہتے ہیں جن کا معاشی اور سیاسی میدان میں کوئی مقام نہیں ہے۔ جو بیر رکھنا چاہتا ہے۔ اس کے گلے میں باہیں ڈالنے کی پالیسی کے گھناؤنے پہلو اور غداروں سے وفاداری کا طرز ترک کر دیجئے، اگر حکومت سارے ہندوستان کی پر جوش امداد چاہتی ہے تو پہلے اسے اپنے پتے میز پہ پھینک دینا چاہئے، حکومت کو اپنی حکمتِ عملی پہ نظر ثانی کر کے یکایک اور فوراً اپنی سہل انگاری، غفلت اور منفعل طرز سے باز آجانا چاہئے۔

ضربِ کلیمی۔ قوم کے بنیادی اور اہم مسائل کو سلجھانے میں ہم ہر وقت کامیاب نہیں ہو سکتے، زندگی اور موت کے مسائل کو صرف پلیٹ فارم کی تقریروں اور اپنے مخالفین کی ہرزہ سرائی اور دشمنوں کی مذمت سے حل نہیں کیا جا سکتا۔ ہمیں تو صرف ضرب کلیمی سے کام لینا چاہئے ——— مؤثر فیصلہ کن ہتھیار ——— جس قدر جلد ہو سکے ——— یہ ہتھیار اٹھا لینا چاہئے یہ ہتھیار اپنا بل، اپنی قوت اور اپنی خودی ہے ہمیں اپنی تنظیم کو اس قدر

مستحکم کر لینا چاہیے کہ ہر طاقت، ہر دشمن، ہر خطرے اور ہر مخالف سے انفرادی اور اجتماعی دونوں حیثیت سے مقابلہ کرنے کے قابل ہو جائیں

بحر خودی میں سیکڑوں قلزم ہیں صرف ضرب کاری کی ضرورت ہے! (پر جوش نعرے، تالیاں)

(خطبۂ صدارت اجلاس کل ہند مسلم لیگ مدراس ——— ۱۹۴۱ء)

اتحادِ عمل

اراکین وفاق کل ہند مسلم طلباء، خواتین و حضرات!

مقاصد۔ اگرچہ میں اپنے نوجوان دوستوں کے کثیر اجتماع کو دیکھ رہا ہوں پھر بھی یہاں بڑی تعداد اُن حضرات کی ہے جو طالب علم نہیں ہیں، جیسا کہ گزشتہ رات میں نے بتایا، میرا اصل مقصد طلباء کو مخاطب کرنا ہے۔ کوئی چار پانچ سال قبل وفاق کل ہند مسلم طلباء کی داغ بیل پڑی۔ پہلے تو میں آپ کو آپ کے دستور پر توجہ دلاؤں گا۔ آپ کو اپنے دستور کے نصب العین اور مقاصد کو ہر وقت سامنے رکھ کر ان سے نہایت وفاداری اور استواری سے چمٹے رہنا چاہیے۔ مسلم طلباء کو صوبہ واری آزاد اکائیوں کی مدد سے متحدہ جماعت کی صورت میں منظم کر کے ان کے حقوق کی حفاظت کرنی چاہیئے۔ آپ جانتے ہیں کہ ہر وقت اور خصوصاً ان دنوں مسلم طلباء کے مفاد کا تحفظ نہایت ضروری ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کی بہت سی شکایتیں ہوں۔ بہت سے مطالبات ہوں لیکن منظم جماعت بن جانے کے بعد آپ اپنی شکایات کی تلافی کر سکتے ہیں، میں نے دیکھا ہے کہ آپ نے اس خصوص میں بہت کچھ کوشش کی اور مصائب کا شکار ہوئے۔ آپ کے مقاصد میں سے یہ ایک ہے۔ دوسرا مقصد مسلم طلباء میں سیاسی شعور پیدا کر کے انھیں

ملک کی آزادی کی جدوجہد میں حصّہ لینے کے قابل بناتا ہے ۔ میں صرف اسلئے سب کچھ کہہ رہا ہوں کہ آپ نے مجھے آج کے جلسہ کی صدارت کا اعزاز بخشا ہے ۔ اور اس لئے بھی کہ میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ آپ کے مقاصد کیا ہیں اور یہ میں یہ سب کچھ آپ ہی کی دستوری زبان میں کہوں گا ــــــ یعنی ملک کی آزادی کی جدوجہد میں موزوں حصّہ لینے کے لئے تیار رہئے ۔

میں مختصر طور پر کہوں گا کہ آپ کی وفاق نے گزشتہ دو برس میں قابل لحاظ ترقی کی ہے ۔ مجھے توقع ہے کہ آپ بڑھیں گے ــــــ ابھی اور ترقی کریں گے ۔ میں نے بارہا کہا ، اور آپ کو یاد رکھنا چاہئیے کہ دن بہ دن اور ہفتہ بہ ہفتہ بدلتی ہوئی اور ترقی کرتی ہوئی سیاست میں طالبعلموں کو عملی حصہ نہ لینا چاہئے ۔ آپ کے اپنے ابتدائی فرائض ، اپنے والدین اور اپنی قوم کے فرائض یہ ہیں کہ جب تک آپ طالب علم ہیں اپنے ذہن و فکر کو اپنی تعلیم پر مرکوز کر دیجئے ۔ یاد رکھئے اگر طالب علمی کے زمانے میں آپ نے اپنا قیمتی اور بیش بہا وقت دوسرے مشاغل میں ضائع کر دیا ۔ تو یہ گیا وقت پھر کبھی ہاتھ نہ آئے گا ۔ آپ کو اپنے ، اپنے والدین اور اپنی قوم کے ابتدائی فرائض کی پابجائی کے ساتھ ساتھ اپنے ملک کے سیاسی ، سماجی اور معاشی اتار چڑھاؤ سے بھی باخبر رہنا چاہئیے ــــــ نہ صرف اس ملک بلکہ سارے عالم سے واقف ہونا چاہئیے ۔ صرف اسی وجہ سے میں نے ہر وقت مسلم طلباء کے ہر اجتماع کی دعوت بخوشی قبول کی ۔

اعجاز ۔ اب کچھ آگے کے داخلی امور سے متعلق ــــــ آئندہ اپنی تنظیم کو مزید مستحکم بنانے اور مسلم طلباء میں اتحاد و اجتماعیت پیدا کرنے کے لئے

کیا طریقہ کار اختیار کریں گے۔ مجھے ذرا بھی شک نہیں ہے کہ آپ ابھی غور کریں گے اور تمام کارروائی کے بعد موزوں اور مناسب قرارداد منظور کریں گے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ آپ کو اپنی آئندہ ذمہ داری کے لئے بھی تیار رہنا ہے، جو بہرحال آپ ہی کے کندھوں پر رہے گی۔ یہ ذمہ داری تنظیم مسلم لیگ ہے۔ جو دن بہ دن ترقی کر رہی ہے اور سارے ہندوستان میں نہایت تیزی کے ساتھ پھیلتی جا رہی ہے۔ گزشتہ تین سال میں مسلم لیگ نے قابلِ لحاظ ہی نہیں بلکہ معجز نما ترقی کی۔ لیگ کی تحریکات، اس کی کارروائیاں، نشوونما، حکمتِ علمی اور نظام العمل بھی آپ کے پیش نظر رہنا چاہیئے۔ عزیز دوستو، آپ خود تین سال قبل کے مسلمانوں کے موقف سے آج اپنے موقف کا موازنہ کیجیئے، پانچ سال پہلے بدتر حالت تھی، دس سال پہلے آپ مردہ تھے۔

اور صرف تین سال میں آپ اس وسیع براعظم کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک سارے اسلامی ہندوستان میں سیاسی شعور پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئے، لیگ نے آپ کو ایک قومی پرچم عطا کیا ہے، ایک مرکز اور مشترک پلیٹ فارم دیا ہے۔ مسلم لیگ نے آپ کو ایک نصب العین عطا کیا ہے جو میری دانست میں ہمیں ملکِ معہود کی طرف لے جائے گا۔ جہاں ہم پاکستان تعمیر کریں گے، لوگ من مانی کر سکتے ہیں اور جو چاہے کہہ سکتے ہیں۔ درحقیقت جو سب سے آخر میں ہنستا ہے وہی سب سے بہتر ہنستا ہے۔ لومڑی کی چال جب کبھی مجھے موقع ملا۔ میں نے بارہا یہی کہا کہ سیاسی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ ہمیں آئندہ کے لئے ایک واضح تعمیری پروگرام

مرتب کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمیں احساس ہے کہ کوئی ہمارا دوست نہیں ہے ہم جانتے ہیں کہ ہم ہر طرف سے مخالفین میں گھرے ہوئے ہیں۔ بالخصوص آپ کے صوبے کے متعلق مجھے کچھ کہنا ہے یہاں آپ صرف ۴ فیصد ہیں۔ جیسا کہ میں نے کہا اور ۱۹۳۷ء میں اپنی لکھنؤ کی تقریر میں حوالہ دیا تھا کہ اس صوبے کے اندر آپ آگ میں گھر گئے تھے، آپ نے مصائب برداشت کئے ۔ آپ اُس صوبے میں جہاں وار دھا کے خصوصی تجربہ خانہ میں ایک نئی طرح کا تجربہ کیا گیا صرف ۴ فیصد ہیں آپ کو خوف زدہ کرنے اور نیچا دکھانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی گئی۔ بے شک یہ ظاہر ہے کہ صرف ۴ فیصد آبادی کو دہشت دلانے کی حکمتِ عملی نہ صرف ناانصافی اور جانبداری تھی بلکہ انتہائی بزدلانہ حکمتِ عملی تھی —— صرف ایک لومڑی کی چال!

صمیمِ قلب۔ آپ کو مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ میں اس مرکز سے کہہ سکتا ہوں کہ میں اپنی زندگی میں کبھی اس وقت سے زیادہ مسرت اور فخر محسوس نہیں کیا جب کہ میں نے پڑھا، دیکھا اور سنا کہ اس صوبے کے مسلمانوں نے اپنا شاندار مقام حاصل کر لیا ہے۔ ہمیں مشکلات سے دو چار ہونا ہے۔ کوئی قوم مصائب اور قربانیوں کے بغیر نہ تو قوم بنی اور نہ کبھی اس نے اپنا مقصد حاصل کیا۔ اس لئے یہ ظاہر ہے کہ ۱۹۳۵ء کا نافذ شدہ بدترین دستور، اور اس کا صوبہ واردھی جزاس ملک میں بری طرح ناکام رہا۔ ہمیں اپنے تصورات اور مقاصد پر نظرثانی کرنی چاہئیے لیکن میں اس صوبے کے مسلمانوں میں صمیمِ قلب اور مسرت دیکھنا چاہتا ہوں اور میں یقین دلاتا ہوں کہ کوئی ناانصافی، جانبداری اور بددیانتی ہرگز کامیاب نہیں ہوگی۔

کنجی ہے ـ میں کہہ رہا تھا کہ مسلم لیگ بہت ساروں کے اندازوں سے زیادہ ترقی کر رہی ہے ـ نوجوان دوستو، میں بھی تو آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ ہمارا اتحاد ہمارا استحکام اور ہماری ہر جہتی ترقی ہی ہماری کنجی ہے، جو آپ کے ہاتھوں میں ہے، کسی دوسرے پر ہرگز بھروسہ نہ کیجئے ـ آپ واقف ہیں میں ہرگز زور نہیں دوں گا ـ مسلم لیگ ہمیشہ دفاعی رہی ـ میں نے بار ہا یہی کہا ہے ـ نہ کوئی رعایت ملحوظ ہے اور نہ کوئی جانبداری منظور ہے میں نے ہر وقت یہی کہا ہے کہ ہندوؤں اور دوسری قوموں سے ہماری کوئی غرض و غایت وابستہ نہیں ہے لیکن ہم کبھی ان کی اطاعت قبول نہیں کریں گے اور نہ ہی ہندو راج تسلیم کریں گے ـ

سبز باغ ـ صورتِ حال پر غور کیجئے ـ ایک طرف آپ موجودہ سیاسی صورتحال کو پائیں گے اور دوسری طرف مختلف ادارے ـــــ ہندو ادارے ـــــ کام کر رہے ہیں ـ اول اول تو آپ کے لئے سب سے زیادہ طاقتور اور بہترین ادارہ کانگریس ہی تھا ـ میں نہیں سمجھتا کہ آج بھی ہندو لیڈر بے تکلفی اور ایمانداری سے کیوں اعتراف نہیں کر لیتے کہ وہ مسلمانوں کی نمائندگی نہیں کرتے ہیں ـ مقدس راشٹریتی کا حوالہ دینے اور اسے ایک نمائشی ہوّے کی طرح پیش کرنے سے کیا حاصل؟ تم اپنے سوا اور کس کو دھوکا دے رہے ہو؟ اپنے سوا اور کس کو تم سبز باغ دکھا رہے ہو؟ تم واقف ہو، میں جانتا ہوں اور دنیا واقف ہے کہ ہر ذرا سی سمجھ بوجھ کا آدمی بھی آج یہ ماننے پر مجبور ہے کہ بلا شبہ مسلم لیگ ہی تنہا مسلمانوں کی بااختیار اور نمائندہ جماعت ہے، پر دہلی ابھی تک تاریکی میں ہے (قہقہہ) اور میں ناگپور سے دعا کرتا ہوں کہ

وارد دھا اور سیوگاؤں کے قرب و جوار میں بر دولی پر اللہ تعالیٰ روشنی نازل فرمائیے!

کانگریس اب کیا چاہتی ہے؟ بعض اوقات یہ سمجھنا مشکل ہوتا ہے کہ واقعی وہ چاہتی کیا ہے؟ مجھے تو یہ ٹمپنی سن[1] کے الفاظ یاد دلاتی ہے۔ وہ کہتا ہے ــــــ "بعض وقت میں اپنے محسوسات کو الفاظ کا جامہ پہنانا ایک گناہ خیال کرتا ہوں۔"

یہ مقام۔ جہاں تک الفاظ کا تعلق ہے اور جہاں تک کوئی ذہین آدمی اس کا مفہوم سمجھ سکتا ہے، میں کہنے کی جرأت کروں گا کہ میں نے کانگریس کے موقف کے بارے میں کیا سمجھا ہے، کانگریس کی سرکاری قرارداد اور سرکاری حیثیت تو یہی ہے کہ وہ حکومت برطانیہ سے ہندوستان کی آزادی اور خودمختاری کے فوری اعلان کے ساتھ ایک مجلس دستور ساز کے ذریعہ جو بالغ رائے دہی کے اصول پر منتخب کی جائے گی اپنے لئے ایک نئے دستور کی تشکیل کا حق چاہتی ہے۔ تب مسلمان اپنے علیحدہ حلقہ انتخاب سے آئیں گے اور جب اسمبلی کے فیصلے سے مسلمان مطمئن نہ ہوں ــــــ اور ریاضی کی رو سے یہ ایسا ہی یقینی ہے۔ جیسے رات کے بعد دن، اور میں جانتا ہوں کہ مسلمانوں کی تشفی نہ ہو گی، کیونکہ اس مجلس دستور ساز میں ۷۵ فیصد ہندو ہوں گے۔ گزشتہ تین سال میں ایسی صدہا مثالیں ملتی ہیں کہ کسی اہم مسئلہ میں جبکہ وہاں ہندوؤں کی غالب اکثریت اور مسلمانوں کی اقلیت تھی مخلوط جماعت میں کوئی اتفاق نہ ہوا ــــ

---

[1] انگریز شاعر

ہمیں صرف ثالثی عدالت میں رجوع ہونے کا حق رہے گا کون ثالث مقرر کرے گا؟ اگر میں ثالث مقرر کروں تو کیا وہ قبول کریں گے؟ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر کون ان کا انتخاب کرے گا؟ اگر ہم ثالث کے انتخاب سے اتفاق نہ کریں تو پھر کیا ہوگا؟ ان سب سے قطع نظر ہم سے کہا جاتا ہے کہ ہم اقلیت کی حیثیت سے صرف تحفظ کے مسئلہ سے سروکار رکھیں دیگر امور کا فیصلہ اکثریت کرے گی۔ یعنی ہندو جماعت! میرے خیال میں تو یہی کانگریس کا سرکاری مقام ہے۔

نکل جاؤ۔ ابھی حال میں صف اول کے لیڈر مسٹر گاندھی اور جواہر لال نہرو نے بیان کیا ہے کہ مکمل خود مختاری ہی کانگریس کا مسلک ہے۔ مسٹر جواہر لال نہرو نے اپنی حالیہ تقریر میں بعض الفاظ کی حد تک کرامول (CROMWELL) کا انداز اختیار کرتے ہوئے کہا کہ اس ملک سے انگریزوں کو بھاگ جانا چاہیئے۔ بہت اچھا، اگر یہی تمہارا مقام ہے تو ایک انسان کی طرح اسی پر جمے رہو۔ بسورنا مت! کیوں تم حکومت برطانیہ سے اعلانِ خود مختاری کا مطالبہ کرتے ہو اور کیوں انگریزوں سے ایک مجلس دستور ساز کے لئے سہولتیں بہم پہنچانے کی استدعا کرتے ہو؟ ایک انسان کی طرح جم کر کھڑے رہو۔ اور انگریزوں سے کرامول کے انداز میں کہدو "نکل جاؤ"۔

روح کا سمجھوتہ۔ اب ایک مقدس مسلمان کی باری آتی ہے یہ ہیں انتھریتی مولانا ابوالکلام آزاد! یہ کیا فرماتے ہیں؟ ہندوستانی قومی کانگریس کا نمائندہ اور صدر کہتا ہے کہ جب تک انگریزی حکومت نہ بدل جائے ہم نہیں بدل سکتے اگر برطانوی حکومت بدل جائے تو پھر تمہاری خود مختاری کے مسلک کا کیا

ہوگا؟ کیا تم سمجھوتہ چاہتے ہو؟ اپنی روح کا سمجھوتہ چاہتے ہو؟ مسلم تقدس کنایتاً یہی کہتا ہے۔

نئی چال۔ مسٹر راج گوپال اچاریہ کیا کہتے ہیں؟ وہ کہتے ہیں "میں سمجھتا ہوں کہ تجویز پونا کو زندہ کرنا ہوگا" بے شک پونا اسکیم کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اپنے محبوب لیڈر مسٹر گاندھی کو ضائع کر دیں گے، جو حکومت برطانیہ کو دست برداری کی دھمکی دینے اور دباؤ ڈالنے میں مہارت تامہ رکھتے ہیں۔

مسٹر گاندھی ہر وقت یہی کہتے رہے "میں تمام جنگوں کا مخالف ہوں میں کسی جنگ کی حمایت نہیں کرتا اگرچہ کہ وہ خود میرے ملک کی مدافعت ہی کے لئے کیوں نہ ہو۔ اگر ہٹلر آتا ہے تو اسے ہمارے جسموں کو کچلنے دو۔ ہم صرف ستیہ گرہ پیش کریں گے" لیکن جب تجویز پونا بنی تو انھوں نے کیا کیا حالانکہ اس تجویز کو اس بنیاد پر کھڑا کیا گیا تھا کہ اگر برطانیہ کانگریس کا مطالبہ تسلیم کرے تو کانگریس جنگ جاری رکھنے اور ہندوستان اور انگلستان کی مدافعت کرنے میں پورا پورا تعاون کرے گی؟ مسٹر گاندھی کو ایسا زبردست دھکا لگا کہ وہ زیادہ عرصہ کانگریس کے زعیم باقی نہ رہے۔ اگرچہ کہ آج بھی وہ کانگریس کے چار آنے کے رکن نہیں ہیں۔ یہ تو انھوں نے صرف ایک ماہر اور جنرل کی حیثیت سے کہا تھا "مجھے اس سے اتفاق نہیں ہے۔"

انھوں نے کیا کیا؟ یاد رکھئے، انھوں نے بالکل دوسرے ہی دن برطانوی اخباری نمائندوں سے ملاقات کی حکومت برطانیہ سے موقع نہ کھونے کی پر زور سفارش کی کہ پونا اسکیم مان لینی چاہیئے۔ اگر وہ ایسا نہ کریں تو گویا وہ ایک زبردست غلطی کے مرتکب ہوں گے۔

ایک شخص جو تمام لڑائیوں کا مخالف ہے، ایک آدمی جو اہمسا پر اعتقاد رکھتا ہے، ایک شخص جو یہ کہتا ہے کہ کانگریس نے اس کی زندگی بھر کے نچوڑ اور اس کے مسلک "اہمسا" سے روگردانی کی اس لئے اب وہ کانگریس کا ساتھ نہیں دے سکتا، بالکل دوسری ہی صبح اخباری نمائندوں کو پونا اسکیم کی تائید میں بیان دیتا ہے۔

اس لئے یہ جاننا بہت مشکل ہے کہ واقعی کانگریس کیا چاہتی ہے اور وہ کیا کہہ رہی ہے، وہ سب اب بارہ دولی میں جمع ہو رہے ہیں خود مسٹر گاندھی، جواہر لال نہرو، اور راج گوپال اچاریہ، ان تینوں ہی کو تو عرفِ عام میں کانگریس کہا جاتا ہے، اور یہ تینوں تین مختلف چیزیں بیان کرتے ہیں۔ میں آپ کو طباع ذہین اور نتائج کو اخذ کرنے کے قابل سمجھ کر پوچھتا ہوں کہ آپ کس نتیجے پر پہنچے؟ ایک بدیہی نتیجہ جو اخذ کیا جا سکتا ہے۔ وہ صرف یہی ہے کہ کانگریس اپنی اعلیٰ اساس کی نمائش کے لئے چال چل رہی ہے۔ لیکن یہ تمام چالبازیاں اور تمام حیلے صرف ایک ذیلی کھیل سے زیادہ نہیں ہیں۔ ہندو راج۔ کانگریس کا ایک مثنیٰ ابھی کام کر رہا ہے۔ یہ مثنیٰ ہندو مہا سبھا ہے مسلمانوں کی حد تک تو ہندو مہا سبھا الفاظ کو چباتی نہیں! اس کے لیڈر کھرے ہیں۔ مسٹر ساورکر نے اپنی حالیہ تقریر میں جو بدقسمتی سے بھاگلپور میں نہ ہو سکی، کنایہ اور اشارے سے کام نہیں لیا، انھوں نے صاف صاف کہہ دیا "میں اپنی قوم کی طرف سے کھڑا ہوں اور ہندو اقتدار چاہتا ہوں"۔ ساورکر نہایت صاف انداز میں کہتے ہیں کہ اس ذیلی براعظم میں ہندو راج قائم ہو جانا چاہیئے۔ جیسے کہ مسلمانوں سے کوئی سروکار ہی نہیں، وہ افغانستان

چلے جائیں اور صوبہ سرحد کو ہندوکش لے جائیں۔ بہت جلد اب مسلمان اپنے بہتر موقف کو سمجھ جائیں گے۔ اقلیت کے اعتبار سے مسلمان ایک جنس سے زیادہ رعایت حاصل نہیں کر سکتے۔ یہ بالکل صریح ہے، میں تو یہی کہوں گا کہ مسٹر مونجے سنٹر ساورکر اور ان کے ساتھی دیوانہ وار دوڑ رہے ہیں۔ ہندوؤں کو ممکنہ حد تک زیادہ نقصان پہنچا رہے ہیں اور مسلمانوں کا کم از کم نقصان کر رہے ہیں۔ میں خوش ہوں کہ انھوں نے تشریح کر دی۔ کانگریس کی طرح تو اپنے مدعا پر پردہ ڈالنے اور سیاسی اصطلاحوں اور لفظی بازی گری میں الجھنے کی کوشش نہیں کی۔ میں نہایت فخر کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ خدا کا شکر ہے کہ اب مسلمانوں کو نہ تو کانگریس اور نہ ہی کوئی اور جماعت بیوقوف بنا سکتی ہے۔

ہندو مہاسبھا کیا کر رہی ہے؟ وہ ہندوؤں میں عسکریت اور صنعت پھیلانے کی کوشش کر رہی ہے۔ ہندوؤں کو فوج، بحریہ، فضائیہ میں شریک کر کے جنگ میں مدد دینا چاہتی ہے۔ عسکریت کہاں؟ صنعت کس کے لئے؟ ہندو قوم میں؟ میں ساورکر اور فیلڈ مارشل مونجے سے دریافت کروں گا کہ کیا تم اس ملک کے تمام باشندوں کو بیوقوف سمجھتے ہو؟ تم یہ سمجھتے ہو کہ انگریزوں کو بیوقوف بنا سکو گے؟ کیوں آخر اس طرح کی گفتگو اور کیوں فوج بحریہ اور فضائیہ میں ہندوؤں کی بھرتی کے پس پردہ تعاون کی ریاکارانہ وفاداری؟ پھر وہ کیا کریں گے؟ جواب ظاہر ہے۔ وہ کہیں گے پاکستان ہوا میں اڑ جائے گا، انگریز انگلستان چلے جائیں گے۔ کیا آپ نہیں سمجھ سکتے کہ ایسے شرفا جو اس طرح کی گفتگو کرتے ہیں کہیں نہ کہیں بند کر دیئے جائیں گے؟

میرے نوجوان دوستو! ہندو مہاسبھا خواب دیکھ رہی ہے، کیسے

خواب؟ وہ کچھ نہیں چھپاتے، آخر وہ کیوں پاکستان کے خلاف ہیں؟ کیوں آخر؟ اگر وہ جذبات سے ہٹ کر ایمانداری سے ہماری تجویز پر غور کریں تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ تجویز پاکستان ان کے لئے معاندانہ نہیں ہے۔ مسلمان کہتا ہے۔ "مجھے ہندوستان کے وہ حصے دیدو جہاں ہماری اکثریت ہے اور جو میرا وطن ہے۔ مجھے یہاں اپنی قومی حکومت کے زیر اثر رہنے دو اور میں غیر مسلم اکثریت کی حفاظت کروں گا۔ تم ضرور غیر اسلامی ہندوستان میں رہو اور مسلم اقلیت کی حفاظت کرو، تم تین چوتھائی لے لو۔

حرص کے دانت۔ لیکن وہ تین چوتھائی نہیں چاہتے، وہ سب کا سب چاہتے ہیں، آخر وہ پورا ملک کیونکر حاصل کر سکتے ہیں؟ مسٹر ساورکر کا منصوبہ کیا ہے؟ مقصد یہی ہے کہ جب فوج، بحریہ، فضائیہ اور دیگر اداروں میں ۷۵ فیصد ہندو شریک ہو جائیں! اس وقت فیلڈ مارشل ہونجے ہر ہندو کو گوشت کھاتا دیکھیں گے ——— اور سمجھ جائیں گے کہ ہندو راج قائم ہو گیا!

اُن مسلمانوں کا کیا ہو گا جو شمال مغرب اور شمال مشرق میں ہیں؟ ان سرحدوں کا کیا ہو گا، کیا ان سرحدوں کی اسی طرح ہندو قلعہ بندی ہو گی، جس طرح آج برطانوی ہے، اور کیا وہ یہ کام کریں گے اور نگرانی رکھیں گے کہ یہاں کے مسلمان سر اٹھانے نہ پائیں۔ وہ ایک مرکزی حکومت قائم کر لینے میں کامیاب ہو جائیں گے اور یہ مرکزی حکومت سارے ہندوستان پر قابض و حکمران رہے گی۔ بے شک، افغانستان بھی بعد میں شامل کر لیا جائے گا! اور پھر مسلم ہندوستان کسی قسم کی ذمہ دار حکومت کا تصور بھی نہ کر سکے گا اور نہ اپنے موقف کو خود مختار اور آزاد بنانے کی

کوئی گنجائش ہو گی، بالفاظ دیگر ان کے حقوق پامال ہو جائیں گے - ملک کے ان حصوں میں اپنی فوج اور ہوائیہ کے ساتھ آزاد مملکت کا حق نابود ہو جائے گا -

ہنٹ راج - ذرا سی سوچ بچار سے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ نہ صرف خواب ہے بلکہ ہندو مہا سبھا جس چیز کے لئے کوشش کر رہی ہے وہ سب سے زبردست حماقت ہے - ہندو مہا سبھا کا مطالبہ کیا ہے ؟ اب انھوں نے بھاگلپور کے سوا سارے مطالبات چھوڑ دیئے ہیں - چند دن میں یہ تصفیہ ہو جائے گا اور وہ انگریزوں سے کہیں گے :-

ہم آپ کے حلقہ بگوش بننے تیار ہیں ، آپ کے حسب منشا ہر طرح خدمت کی جائے گی لیکن ہندوؤں کے لئے آپ فوج ، بحریہ اور ہوائیہ کے دروازے کھول دیجئے ، ہم وہی کریں گے جو آپ چاہتے ہیں - جب وہ پر فریب اور خبیثانہ نیت سے یہ کہتے ہیں تو سمجھنے میں کوئی غلطی نہیں ہوتی کہ اس وقت وہ ایک دوسرے بھائی کی مدد سے ہندو مملکت قائم کرنا چاہتے ہیں - وہ کہتے ہیں "آپ کو ایک وقت معین کر کے ہندوستان کو ویسٹ منسٹر کا مقبوضاتی درجہ دے دینا چاہیئے"

کون دے گا ؟ حکومت برطانیہ ؟ میں پوچھتا ہوں کیا اس سے خرافات اور بیہودگی نہیں جھلک رہی ہے ؟ پہلے تو حکومت برطانیہ یہ کر نہیں سکتی ، اور اگر وہ ایسا کر بھی لے تو آپ کو توقع ہے وہ مسٹر ساورکر کو گدی پر بٹھا کر اس کے ہندو راج کی نگہبانی کریں گے ؟ ویسٹ منسٹر کے مقبوضاتی دستور کے پس پردہ کیا ہے ؟ مسٹر ایمری نے سچ کہا ہے "یہ کوئی تمغہ اور نیچ نہیں ہے

جو تمہارے بٹن کے سوراخ میں ایک پن سے لگا دیا جائے، یہ تو اس براعظم کی حکمرانی کا مسئلہ ہے، تم چاہتے ہو کہ برطانوی سنگینیں تمہیں تخت نشین کر دیں؟ کیا تمہیں توقع ہے؟

تعین وقت۔ یہی ہے ان کا مطالبہ، میں سوچتا ہوں! اس مطالبے کے پیچھے کیا ہے؟ اب یہ زیادہ مبہم نہیں رہ سکتا، ہمیں اپنے مخالفین کی ذہانت کی داد دینی چاہیئے کہ وہ کیونکر احمق بنتے ہیں، وہ کس چیز کے پیچھے جا رہے ہیں؟ ہندو مہاسبھا وقت کا تعین کرتی ہے، وہ حکومت برطانیہ سے متمنی ہے کہ جنگ کے سال یا دو سال بعد ہندوستان کو ویسٹ منسٹر کے مقبوضات کا درجہ دیدیا جائے، کیا مطلب ہے اس کا؟ اگر حکومت برطانیہ آج اعلان کرتی ہے کہ جنگ کے بعد ایک یا دو سال کے اندر اندر کینیڈا کی طرح اس ملک میں بھی مقبوضاتی طرز حکومت قائم کر دے گی۔ تو اس کا صریح مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ بڑی جماعتوں کی رضامندی سے دستور مرتب نہیں کیا جائے گا۔ دوسرے الفاظ میں، مسلمانوں کی رضامندی ضروری نہیں ہے۔ تو پھر کس کی رضامندی اور توثیق پر برطانوی حکومت دستور دے گی؟ بے شک کانگریس اور مہاسبھا کی مرضی پر اگر وہ مطمئن ہیں اور اگر مسلمان مطمئن نہ بھی ہوں تو کوئی بات نہیں۔ حکومت برطانیہ کہے گی "ہم نے وعدہ کیا ہے اور ہمیں دستور نافذ کرنا چاہیئے"۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ اگر حسب وعدہ دستور نافذ ہو گیا تو کیا اس کا مطلب برطانوی عسکری طاقت کا ہٹا لینا ہے؟ تو پھر پس پردہ کیا چیز ہے؟ پہلے تو میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ انگریز بیوقوف نہیں ہیں، بالفرض انھوں نے ایسی غلطی کا ارتکاب کر بھی لیا تو یہ دستور دو ہفتے سے زیادہ نہیں چل سکتا۔

نسلی مشابہت مسٹر جواہر لال نہرو کہتے ہیں "ہندوستان کی خود مختاری کا اعلان کر دو" سر تی۔ بی سپرو جو سب غداروں سے زیادہ دقیقہ سنج ہیں، وہ بھی یہی کہتے ہیں۔ خاندانی مشابہت تو دیکھیے، کیا کہتے ہیں۔ اپنے ۲۵۔ دسمبر کے بیان میں کہتے ہیں "ہندوستان کو یہ محسوس کرنا چاہیئے کہ وہ جنگی مساعی کے لئے جو کچھ بھی کر رہا ہے۔ وہ صرف دولت عامہ سے اپنے موانعات ہٹانے کے لئے نہیں، بلکہ وہ اپنی آزاد زندگی کے لئے لڑ رہا ہے" پہلے تو وہ ایک نئے اعلان کی سفارش کرتے ہیں کہ زیادہ عرصے تک ہندوستان محکوم نہیں رہے گا ایک بھائی کہتا ہے، ہندوستان کی خود مختاری کا اعلان کر دو، دوسرا بھائی کہتا ہے کہ اعلان کر دو کہ زیادہ عرصے تک ہندوستان محکوم نہیں رہے گا، کوئی فرق محسوس ہوتا ہے ان دونوں میں؟ تی۔ بی سپرو اور اعتدال پسند کیوں اس طرح کی باتیں کرتے ہیں؟

مسٹر شاستری اپنی حالیہ تقریر میں کیا کہتے ہیں؟ اسی مفہوم کو دوسری طرح ظاہر کرتے ہیں۔ —— وہی خاندانی مشابہت! کہتے ہیں کہ ہمیں مسلمانوں کو قومی مفاد کے تمام تحفظات دینے چاہئیں۔ کس کا قومی مفاد؟ کونسی قوم؟ ہندو یا مسلمان؟ اگر تم غور سے مطالعہ کرو تو وہی چیز پاؤ گے —— وہی ہندویت کا راگ۔

میں واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ کیونکر تمام ہندو لیڈر ایک ہی لکیر پہ چل رہے ہیں، اور کس طرح کم و بیش ایک ہی مطالبہ کر رہے ہیں؟ لیکن مختلف طرز و اسلوب سے، ایک بہت زیادہ منطقی ہے، تو دوسرا بہت زیادہ مبہم، مگر الاپتے سب ایک ہی ہیں، یعنی سارے ہندوستان میں

مرکزی حکومت، ایک متحدہ ہندوستان، جہاں ہندو اکثریت حکمران ہوگی۔ سیاسی اکثریت نہیں، بلکہ دوسری قوم اور سماج کے مقابلہ میں قومی اور سماجی اکثریت ہوگی، وہ آپ کو سارے ہندوستان میں اقلیت کی حیثیت دینا چاہتے ہیں آپ کو اقلیت کا تحفظ اس طرح دیا جائے گا کہ جس سے ہندو قومی مفاد متاثر نہ ہو۔

خواتین وحضرات! اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ نہ صرف ان علاقوں میں جہاں مسلمان اقلیت ہے۔ بلکہ ان حصوں میں بھی جہاں ان کی اکثریت ہے، اقلیت کا سا برتاؤ کیا جائے گا، گویا ساری مسلم قوم کو ہندو راج کے قدموں میں سانس لینی ہوگی، انھیں اپنے تمام امور میں ہندو آقاؤں کے اشاروں کا محتاج رہنا ہوگا۔ اسی جُوئے کے زیر اثر حرکت کرنی ہوگی۔ یہی موقف ہے مسلمانوں کا! لیکن یاد رہے جب تک ایک مسلمان بھی زندہ ہے۔ اس طرح کی کوئی چیز قبول نہیں کی جا سکتی۔ جلد اور جس قدر جلد ہو سکے، ہندوؤں کو اس طرح کی شاطرانہ چالیں ترک کر دینی چاہئیں۔

چنگاری۔ آخر کرسمس کے موقع پر اس طرح کے بیانات کیوں دیئے جا رہے ہیں؟ ہندو لیڈر اپنے تدبر اور اپنی دانست میں سمجھتے ہیں کہ آج برطانیہ ایک خطرناک کشمکش کے جنگل میں ہے اور جاپان کے جنگ میں شریک ہونے سے تو انگلستان ایسے دباؤ، حیرانی اور پریشانی میں ہے کہ وہ محسوس کرتا ہے کہ اسے ضرور امداد حاصل کرنی چاہیے۔ اس کے اپنے ذرائع اور تیاریاں نئی جاپانی تنبیہ اور دہشت کے لئے ناکافی ہیں۔ اس لئے ہندو لیڈر یہ سمجھتے ہیں کہ اب انگلستان ڈگمگا رہا ہے، شورش کی دوسری چنگاری لگونے کا

یہی وقت ہے، ان تبدیلیوں اور کھلبلی کے وقت کسی طرح برطانوی حکومت پر دباؤ ڈال کر ہندو ہندوستان کی موافقت پر مجبور کرنا چاہیئے۔ ان کی امیدیں بڑی حد تک پھیل گئیں کیونکہ پہلے پہلے حکومت ہند کے بارے میں یہ سمجھا گیا تھا کہ وہ ایک خاص گروہ کے قیدیوں کی دلجوئی کرنا چاہتی ہے۔ مزید برآں برطانوی صحافت کی عدم واقفیت اور لاعلمی نے بھی ان کے حوصلے بڑھا دیئے۔ جب آپ ان اخباروں کو پڑھیں گے تو بغیر دقت کے سمجھ جائیں گے کہ وہ ہندوستان کے بارے میں کچھ نہیں جانتے، ہندو پریس جو کہ وہ صرف اپنے حالات کی روشنی میں لکھتے ہیں، اور ان مضامین سے ہندو لیڈر برطانیہ کی حیرانی و پریشانی کا اندازہ کر کے سمجھتے ہیں کہ یہی وقت بہتر ہے اس لئے تو بیانات کا طومار بندھ گیا۔ یہ محض اس لئے کہ کانگریس ابھی تک غور و فکر میں ڈوبی ہوئی ہے۔

پہلے دن وہ بار دولی میں ۹ گھنٹے تک بیٹھے رہے، دوسرے دن پھر ۹ گھنٹے تک مجلس رہی، اور ابھی بہت دن تک وہ بیٹھے رہیں گے۔ آپ کو معلوم ہے کہ وہ عیار ہیں، اپنی گردن بچانے کے لئے ایک جگہ ایک سوراخ رکھتے ہیں اور دوسری جگہ ایک درشگاف چھوڑ دیتے ہیں، کیونکہ بہرحال کیا ہوگا؟ اگر مسٹر راج گوپال اچاریہ آتے ہیں تو مسٹر گاندھی مستعفی ہو جاتے ہیں۔ اس سے کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا۔ گاندھی تو کانگریس کے چار آنے کے ممبر بھی نہیں۔ دنیا میں تو اعلان کر دیا گیا کہ ۱۵ جنوری کو کل ہند کانگریس کمیٹی کا اجلاس ہوگا۔ دنیا کو چاہیئے کہ وہ دھڑکتے ہوئے دل سے کانگریس کے اجلاس وار دھا کے فیصلے کا انتظار کرے۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ ان

چیزوں سے ہم بال برابر بھی اپنی جگہ سے نہیں ہٹ سکتے۔

۱۳۔ دفعات - میں مسٹر گاندھی کا تازہ بیان پڑھوں گا، مکمل سوراج حاصل کرنے کے لئے انھوں نے ۱۳ دفعات کا ایک تعمیری پروگرام مرتب کیا ہے مسٹر گاندھی ایک ہمہ ہیں۔ آپ ان کے بیان کی جس طرح چاہے ترجمانی کرسکتے ہیں اور جو کچھ وہ لکھتے ہیں اور جب کبھی چاہتے ہیں، اس کی ہر طرح تاویل کرسکتے ہیں (قہقہہ) میں سمجھتا ہوں یہ بہتر فصاحت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ پہلی چیز تو فرقہ واری اتحاد ہے فرقہ واری اتحاد سے ان کا مطلب یہی ہے کہ مسلمان کانگریس کی اطاعت و فرمانبرداری تسلیم کرکے اپنی موت کی دستاویز پر دستخط کردیں، بعدازاں چھوت چھات اور ترکِ مسکرات (ہم کو اختلاف نہیں) کھادی، گھریلو صنعتیں، دیہات سدھار، ابتدائی تعلیم، تعلیم بالغان، تنظیم خواتین، تعلیم صحت وجنسیات راشٹر سبھا کی تبلیغ، ایک زبان کی ضرورت اور معاشی مساوات کا ذکر کیا گیا ہے۔ کن سے معاشی مساوات؟ انگریزوں سے، ہم سے نہیں! میں ایک اہم ترمیم یہ کروں گا کہ کانگریس پاکستان کو قبول کرکے اسے ۱۴ دفعات بنا دے! اس طرح تصفیہ بہت آسان ہوجائے گا۔ زبان اور معاشی مساوات کے مسئلے سے ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے، ہمیں اس سے کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ہم وہی زبان اختیار کریں گے جو اپنے منطقوں میں جہاں ایک آزاد ملک کی حیثیت سے حکومت کرنا چاہتے ہیں۔ ہم مناسب مادری زبان سمجھیں گے اور تمہیں اختیار ہے جو مناسب سمجھو، بولو۔

پورن سوراج - مسٹر گاندھی کہہ سکتے ہیں کہ وہ کیا چاہتے ہیں انھوں نے آزادی تقریر کا بیان چھین لیا۔ وہ صرف آزادی تقریر کے لئے لڑ رہے ہیں۔ کانگریس کے مہاتما کا

تازہ بیان پڑھیئے، کوئی شبہ باقی نہیں رہتا تھا کہ اربابِ اقتدار کو دبانے، پریشان کرنے اور جھکانے کے لئے صرف ایک طریقہ باقی تھا، جو گاندھی نے اختیار کیا ——— وہ ہے انفرادی ستیہ گرہ! یہ صرف آزادیٔ تقریر کے لئے نہیں تھا، بلکہ خود ان کے بیان کے بموجب "ایک مکمل سوراج کی تعمیر اور خودمختاری کے حصول کی خاطر" سیول نافرمانی کا حوالہ دیتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ یہ عام اصطلاح ہے، یعنی خودمختاری پر چسپاں نہیں کی جاسکتی بیان کو قطعی اور اس قدر واضح ہونا چاہیئے کہ وہ آسانی سے سمجھا جاسکے اور اس میں اتنا زور اور قوت ہونی چاہیئے کہ مخالفین قائل ہوجائیں۔ ایک اچھے رہبر کو ضرور اپنی منزل کی رہبری کرنی چاہیئے۔ میں پوچھوں منزل کیا ہے؟ آزادیٔ تقریر نہیں۔ بلکہ "پورن سوراج" کیا آپ کو یقین نہیں ہے کہ وہ آزادیٔ تقریر کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں؟ وہ اپنے نصب العین کے لئے لڑ رہے ہیں۔ مخالفین کو توجہ دلانے اور دباؤ ڈالنے کا یہی ایک طریقہ ہے۔ اس کے بعد دوسرا جز اور پھر تیسرا جز ہوگا۔ مسٹر گاندھی کے ستیہ گرہ کے پس پردہ یہی سب کچھ ہے۔

لاعلمی میں سمجھتا ہوں کہ یہ ساری دردسری میں نے اس لئے مول لی ہے کہ اپنے نوجوان دوستوں کو ملک کے حقیقی موقف سے واقف کرادوں کیونکہ مجھے یہ کہتے ہوئے افسوس ہوتا ہے کہ مسلم ذہین طبقہ اور طلبار میں بڑی حد تک ناواقفیت اور لاعلمی پاتا ہوں۔ کانگریس ہر جنگ کی مخالف ہے۔ اسے مساعی جنگ کو روکنے کے لئے نعرے لگانا اور تبلیغ کرنا چاہیئے لیکن اس نے سندھ میں کیا کیا؟ یہاں تو کانگریس مسٹر اللہ بخش کی مدد

کر رہی ہے، اگرچہ کہ وہ جنگ میں مدد دے رہے ہیں، نہ صرف حمایت کر رہے ہیں بلکہ انھوں نے خود نام نہاد دفاعی کونسل کی نامزدگی بھی قبول کر لی ہے۔ جب یہ سوال اٹھایا گیا تو مسٹر گاندھی نے بڑی صفائی سے اسے پارلیمانی کمیٹی پر چھوڑ دیا۔ اور اس پارلیمانی کمیٹی نے فیصلہ کیا "سندھ کے مخصوص حالات کے مدنظر کانگریس کے لئے نامناسب تھا کہ وہ اپنے وزیر اعظم اللہ بخش کی امداد سے ہاتھ کھینچ لیتی"۔

آسام کانگریس پارٹی نے کیا کیا؟ وہ مسٹر چودھری کی مدد کرنے کے لئے تیار ہے جس نے پراسرار طریقہ پر پارٹی کو چھوڑ دیا۔ حالانکہ اسی کی وجہ سے وہ ممبر بنے اور اسی کی بدولت وہ رکن وزارت ہو گئے تھے۔ انھوں نے ایک اور جماعت بنائی...... کانگریس کی حیثیت کیا ہے؟ وہ مسٹر چودھری کی وزارت سے تعاون کرنے کے لئے تیار تھی۔ لیکن دونوں بلیوں میں انصاف کرنے بندر چلا آیا، دفعہ ۹۳ کا نفاذ ہو گیا۔ اب سر سعد اللہ اور چودھری دونوں آرام لے سکتے ہیں۔

اور بنگال میں کانگریس پارٹی کیا کر رہی ہے؟ کانگریس نے مسٹر حق کی نئی اتحادی جماعت کی مدد کی جس کے طفیل وہ ایک حکومت بنانے اور وزیر بننے کے قابل ہوئے مسٹر حق کی بدولت لارڈ لنلتھگو نے اعلان کیا کہ موخر الذکر کو اس بڑے وزیر اعظم کی امداد حاصل رہے گی جو اب بنگال کے وزیر ہونے والے ہیں۔ اور ہماری نام نہاد قومی دفاعی کونسل کے رکن ہیں۔ کانگریس مسٹر حق کی مدد کر رہی ہے۔

اب میں مسٹر فضل حق کو لارڈ لنلتھگو کے لئے کرسمس کا ایک تحفہ

کہوں گا (قہقہہ) اور میں گورنر بنگال کے لئے نئے سال کا تحفہ نواب ڈھاکہ کو بناؤنگا
میں بہت خوش ہوں کہ اسلامی ہند ان لوگوں سے محفوظ ہے جو غداری کی پوٹ
اور منافق ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ ہر شخص کے لئے ہماری تنظیم ناگزیر ہے
اگر کوئی غدار اور منافق ہے تو اسے ٹھکرا دینا چاہئے۔ اگر ہم ان غداروں
اور منافقوں سے اپنی جماعت کو پاک کر لیں، تو میں سمجھتا ہوں کہ ہم اور
بہت زیادہ منظم اور مستحکم بن جائیں گے۔ اور باعزت طریقے پر آگے
بڑھیں گے۔ اب دنیا کی کوئی طاقت نہیں جا دکہ ترقی پر گامزن ہونے
سے روک نہیں سکتی۔

ہمارا موقف۔ میرے نوجوان دوستو، میں سمجھتا ہوں کہ برطانوی حکومت
اور لیگ کے متعلق اب مجھے زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بارہا ہمارا
موقف واضح کر دیا گیا۔ میں نے پرسوں ہی اپنے موقف کو واضح کرتے
ہوئے نیوز کرانیکل کو ایک بیان دیا ہے۔ ہمارا موقف انصاف پر مبنی
ہے اور مجھے شک نہیں ہے کہ وہ اسی طرح رہے گا۔ میرا خیال ہے کہ ہر وہ
شخص جو ذرا سی بھی عقل و تمیز رکھتا ہے، ہرگز ہمیں مطعون نہیں کر سکتا۔ ہمارا
موقف یہی تھا کہ ہم برطانیہ اور ہندوستان کے مشترک موقف کو جان لیں۔ ہم نے
مشترک تباہی کو دیکھ لیا۔ ہم اپنے گھر بار کی حفاظت کے لئے اس تباہی میں حصہ لینے
کیلئے تیار ہیں لیکن اس وقت تک ہم یہ ذمہ داری قبول نہیں کریں گے تاوقتیکہ مرکزی
اور صوبہ واری دونوں حکومتوں میں اختیار اور اقتدار نہ دیا جائے۔

اس دو سال سے زیادہ مدت کے رائیگاں جانے کی ذمہ داری حکومت
برطانیہ پر ہے۔ اگر انھوں نے اس طرح تساہل برتا تو وہ دن دور نہیں جبکہ

مسلم لیگ کے پر خلوص، دیانتدارانہ اور بیباکانہ پیشکش کے ہاتھ سے نکل جانے پر کفِ افسوس ملتے رہیں گے۔

اتحاد عمل ۔ آخر میں ایک اور بات کہوں گا مسلمانو! آپ کو اپنے اندر مکمل اتحاد اور استحکام پیدا کرنا چاہیئے آپس میں لڑتے رہو گے تو کوئی مدد نہیں کرے گا اور آپ منتشر ہو جائیں گے اس لئے اتحاد و استحکام پیدا کیجئے میں چاہتا ہوں کہ آپ اپنے کسی حق، کسی مطالبے اور کسی شکایت کی انفرادی طور پر تلافی کی ہرگز کوشش نہ کریں مبادا انفرادی حل ہمارے مطالبہ کو غصب اور جوکھم میں ڈال کر معاملہ کو الٹ دے۔ قانون کی مقاومت اور مدافعت میں کوئی انفرادی کارروائی نہ ہونی چاہیئے۔ نہ تو صوبہ واری اور نہ ضلع واری لیگ کو ایسا کرنا چاہیئے۔ اپنے آپ کو قطعی متحد اور مستحکم رکھیئے اور انتظار کیجئے جب کل ہند مسلم لیگ سے حکم مل جائے تو میں آپ کے ساتھ چلنے والوں میں سب سے پہلا آدمی ہوں گا۔ قبل ازیں کبھی اس کی اتنی ضرورت نہ تھی جتنی آج، اس پر آشوب اور خطرناک دور میں ہے، آپ کو اپنے نصب العین کو واضح کرنے والی اصطلاحات —— اعتقاد، اتحاد اور تنظیم —— سے پوری طرح چمٹ جانا چاہیئے، اور انتہائی خود غرضانہ طور پر اپنے آپ کو ان کا پابند بنا لینا چاہیئے۔ (تالیوں کی گونج)

(وفاق کل ہند مسلم طلباء ناگپور —— ۱۹۴۱ء)

(کرپس تجاویز)

نیا شگوفہ

خواتین و حضرات!

میں بے حد مشکور ہوں کہ آپ نے اسٹیشن پر میرا نہایت پر جوش خیر مقدم کیا۔ میرے لئے یہ بات انتہائی قابلِ فخر ہے کہ مسلم لیگ دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہی ہے میں لیگ کا ممنون ہوں کہ اس نے امسال مجھے صدارت کا اعزاز بخشا۔ میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ہماری اجتماعیت کے ساتھ ساتھ ہماری تنظیمی قوت اور معاملاتی صلاحیت بھی روز افزوں ہے۔

نیّا ریاش۔ اب میں آپ کو اُس کڑی سے واقف کرانا چاہتا ہوں جس کی ابتداء گزشتہ سال مدراس کی شاندار میقات سے ہوئی تھی۔ مدراس میں ہم نے اپنی حکمتِ عملی کو واضح کر دیا۔ اپنا مطمحِ نظر سمجھا دیا، اور اپنے نظام العمل کی تشریح کر دی۔ میں ہر شخص سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ میری تقریر کو پڑھے اور سوچے۔ نہ صرف پڑھے بلکہ ہماری حکمتِ عملی اور لائحۂ عمل کے کسی نہ کسی جزو کو عملی جامہ پہنا دے۔ میں دہرانا نہیں چاہتا۔ لیکن اب تو لیگی پروپیگنڈا، لیگی ادب، لیگی جلسوں اور کانفرنسوں اور لیگی پریس کے علاوہ خود ہمارے مخالفین کی صحافت نے بھی ہمارے نصب العین پر کافی روشنی ڈالی ہے۔

اب مجھے بات کم اور کام زیادہ کرنا ہے نہ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ

بین الاقوامی صورتِ حال اور اپنے سروں پر منڈلانے والے جنگی خطرے سے دوچار ہوتا ہے، ہم نہیں جانتے انجام کیا ہوگا۔ لیکن میں مسلمانوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ ہر قسم کے حالات، واقعات، موانعات اور خطرات سے نبرد آزمائی کے لئے اپنے آپ کو منظم کر لیں، یہ حقائق ہیں، اور سچ مچ میں نہیں سمجھتا کہ یہ ساری محنت مجھ ہی کو کرنی چاہیئے۔ اگرچہ سیاسی قوت اور شعور کے تناسب کے اعتبار سے تو ابھی آپ پیچھے ہیں۔ پھر بھی آپ قوتِ فیصلہ کی منزل تک پہنچ گئے ہیں۔ اس لئے میں اب اس بارے میں کچھ نہیں کہوں گا۔

کرپس تجاویز۔ میں جانتا ہوں کہ آج کا موضوع نہ صرف ہندوستانیوں کی توجہ کا مرکز ہے، بلکہ ساری دنیا کی نگاہیں اس پر جمی ہوئی ہیں۔ یہ اہم مسئلہ کرپس تجاویز ہیں۔ آپ تو اس کا مطالعہ کرتے ہی رہے۔ میں امکانی حد تک مختصر طور پر اس معلنہ مسودہ کی تشریح کروں گا۔ الفاظ پر غور کیجئے یہ "مشتہر خاکہ ہے۔ یہ ہیں تجاویز جو ملک معظم کی حکومت نے صادر کیں۔ وہ سمجھتی ہے کہ تجاویز "بالکل قطعی اور مناسب" ہیں۔ ہم انھیں سمجھنے کی کوشش کریں گے میں تفصیلات میں نہیں جاؤں گا۔ صرف اہم نکات بیان کر دوں گا۔

ان تجاویز کی اہم دفعات یہ ہیں ——— پہلی چیز تو ایک نئی ہندوستانی انجمن اتحاد کی تخلیق ہے۔ یہ انجمن ایک ایسی مملکت تشکیل دے گی جو اپنے تاج کے مشترک ربط و اتحاد کے ذریعہ متحدہ امریکہ اور دوسرے مقبوضات سے ربط و تعلق قائم رکھ سکے گی۔ یہ اپنے داخلی اور خارجی امور میں آزاد ہوگی اور تاج کے ساتھ مساوی حیثیت رہے گی۔ یہاں اختیارات اور فرائض کے متعلق چند شکوک پیدا ہوتے ہیں۔ تین چیزیں ہیں ——— حیثیت

اقتدار ـــــ فرائض! لیکن ان پر تو اس وقت غور کیا جائے گا۔ جبکہ ہم کسی معاہدہ اور اقرار نامے پر دستخط کرنے تیار ہوں۔

دوسری بات یہ ہے کہ ملک کے مخاصمانہ اور معاندانہ معاملات کے انسداد کے لئے آگے چل کر بیان کئے جانے والے انتخابی طرز پر نئے دستور کے ساتھ ایک منتخبہ جماعت ترتیب دی جائے گی، اس طرح ہمارے لئے ایک منتخبہ جماعت قائم ہوجائے گی جس کو دستور کی تشکیل کا حق رہے گا۔ میں اس وقت تفصیل بتاؤں گا جب اس دفعہ پر اتر آؤں گا کہ یہ مجلس دستور ساز کیونکر تشکیل اور ترتیب دی جائے گی۔ تیسرے اس میں ہندوستانی ریاستوں کے استحکام کی گنجائش ہے، چوتھی بات ہز مجسٹی کی حکومت نے اس طرح کے مدونہ دستور کی فی الفور منظوری اور تعمیل کا ذمہ لیا۔ لیکن اس کے علاوہ مستثنیات بھی ہیں۔

کرووٹ۔ پہلا استثنا تو یہ ہے کہ اگر برطانوی ہند کا کوئی صوبہ اپنے موجودہ دستور کو سنبھالنے کی خاطر اس نئے دستور کو قبول کرنے تیار نہ ہو تو متعاقب گنجائش نکالی جائیں گی بشرطیکہ پہلے تصفیہ ہوجائے مطلب یہ ہے کہ جب مجلس دستور ساز دستور مرتب کرے، اور یہ دستور اس حکمران مجلس دستور ساز کی غور و فکر کے بعد منظر عام پر آجائے تو ہر صوبہ اور صوبہ جات کو یہ کہنے کی اجازت ہوگی ـــــ "ہم اس دستور سے متفق نہیں ہیں۔ ہم ایسے دستور کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔"

لیکن جہاں تک ہمارا تعلق ہے سب سے اہم اور قابل غور بات یہی ہے کہ صوبہ اور صوبہ جات کیونکر اپنی رضامندی اور منشاء کا اظہار

کریں گے۔ اور کیسے اپنے اختیارات کو بروئے کار لائیں گے؟ یہ تو دستاویز میں نہیں ہے۔ سر اسٹافورڈ کرپس نے ایک تجویز یہ پیش کی ہے کہ اگر صوبہ واری مقننہ میں کوئی صوبہ ۶۰ فیصد اوٹ کے اضافے سے موافقت میں ہو تو معاملہ ختم ہو گیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ صوبہ قبول کرنے پر مجبور ہے لیکن اگر انھیں ۵۹ فیصد ووٹ ملیں اور اقلیت ۴۱ فیصد کی ہو۔ تب وہاں صوبے کے عوام کی ایک مجلس استصواب ہوگی، پھر بے شک اتفاق نہ کرنے والے صوبے، خود اس طریقے سے اپنے اندر کوئی انجمن، کوئی مملکت قائم کر سکتے ہیں، یا کوئی صوبہ خود مملکت بن سکتا ہے۔ یہ ہے بدیہی نتیجہ!

اس کے بعد معاہدے کی گنجائش کا سوال آتا ہے — معاہدی یا اقرار نامے جو مملکت اور مقبوضات سے کرنے ہوں گے، یہ بھی بالکل ہندوستانی ریاستوں کی رضامندی سے ترتیب دیئے جائیں گے۔

نیا شگوفہ۔ میں نے آپ سے کہا کہ میں اس تجویز کے اصل فقرات کی تشریح کر کے بتاؤں گا کہ مجلس دستور ساز کیونکر ترتیب دی جائے گی۔ اور اس میں کس قدر گنجائش رہے گی۔ اختلافات کے التوا کے فوری بعد ہی مجلس دستور ساز تشکیل دی جائے گی، مبادا مخاصمت کے اختتام سے قبل اہم جماعتوں کے قائدین دوسرے اداروں سے مل جائیں۔ اس لئے مخاصمت کے ختم پر مجلس دستور ساز اس طرح تشکیل دی جائے گی:۔

"اختلافات کے عین ختم پر صوبہ واری انتخابات ضروری ہوں گے، ان انتخابات کے نتائج کا علم ہوتے ہی تمام صوبہ واری مقننہ کے ادنیٰ ایوانوں کے تمام اراکین ایک

حلقہ انتخاب کی حیثیت سے بلحاظ تناسب نمائندگی مجلس دستور ساز کا انتخاب کریں گے۔ یہ مجلس دستور ساز تعداد کے اعتبار سے حلقۂ انتخاب کی ۱/۱۰ ہو گی۔"

میں سمجھتا ہوں، آپ کو اندازہ ہو گیا کہ گیارہ صوبوں کی مجالس کے اراکین ایک حلقۂ انتخاب کی صورت میں رہیں گے، ان کی تعداد کم و بیش چھ سو ہو گی اور انھیں صرف اپنے ۱/۱۰ کے انتخاب کا حق رہے گا یعنی نمائندگی کے تناسب کے اعتبار سے جملہ ایک سو ساٹھ اراکین ہوں گے، یہ رہی مجلس دستور ساز!

ہیر پھیر۔ اس کے بعد ہندوستانی ریاستوں کی باری آتی ہے۔ انھیں تناسب آبادی کے لحاظ سے نمائندے بھیجنے کی دعوت دی جائے گی لیکن دستاویز میں ان کے طریقے انتخاب کا تذکرہ ہی نہیں کیا گیا —— نامزدگی، یا پھر کسی انتخابی طرز سے —— حضرات! یہ ہے ہمارے مستقبل کی دستاویز!

لیکن موجودہ صورت کے لئے بھی اس میں گنجائش ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ اس پرآشوب اور نازک دور میں اور نئے دستور کی تشکیل تک ہندوستان کی مدافعت کی تمام تر ذمہ داری حکومت برطانیہ کے لئے ناگزیر ہے ہندوستان کے سربرآوردہ لوگوں اور اہم فرقوں کے لیڈروں سے وہ اپنے ملک کی کونسل، دولتِ عامہ کی کونسل اور متحدہ امریکہ کی کونسل میں شرکت کی خواہش کرتے ہیں! اس طرح وہ ہندوستان کے آزاد مستقبل کی اہم اور بنیادی مہم کو موثر اور تعمیری انداز میں چلانے کے قابل ہو جائیں گے۔ خواتین و حضرات!

اہم الفاظ یہ ہیں کہ ہندوستان کی دفاعی ذمہ داریاں ہز مجسٹی کی حکومت پر رہیں گی۔ ہندوستانی عوام کی اہم جماعتوں کے لیڈروں کو ان کے ملک کی کونسلوں میں شرکت کی دعوت دی جائے گی۔

یہ تھی اصل عبارت، لیکن بعد کو اس میں اس طرح ترمیم کر دی گئی "موجودہ نازک دور میں اور آئندہ دستور کی تشکیل تک ملک معظم کی حکومت کو ہندوستانی دفاع کی تمام ذمہ داریاں اپنے عالمگیر جنگ کی مساعی کا ایک جزو سمجھ کر ناگزیر طور پر برداشت کرنی ہوں گی" لیکن یہ الفاظ کا ہیر پھیر ہے۔ حکومت برطانیہ ہندوستانی عوام کی مدد سے، ہندوستان کے فوجی اخلاق اور جنگی وسائل اور ذرائع کے ضبط و نظم کو برقرار رکھے گی۔ بعد ازاں وہ کہتے ہیں کہ ملک معظم کی حکومت کی خواہش ہے کہ —— "بڑی جماعتوں کے با اثر لیڈروں کو اپنے ملک کی کونسلوں میں شرکت کی دعوت دینا چاہتی ہے" انجمن اتحاد۔ خواتین و حضرات! یہ دستاویز ہے، اب میں صرف چند لفظوں میں بتاؤں گا کہ اس کا مفہوم کیا ہے۔ اور میں نے اسے کیونکر سمجھا؟ اس کا مطلب یہ ہے، دستوری اعتبار سے اقتدار کا جو بھی مقام ہو، مقبوضہ اور مملکت کی جو بھی حیثیت ہو، لیکن اہم مقصد تو ایک نئی ہندوستانی انجمن کا قیام ہے۔ ہم اسی سے بحث کریں گے، کیونکہ اسی مقصد کے لئے تو ایک مجلس دستور ساز تشکیل دی جائے گی۔ جو با اقتدار جماعت ہو گی۔ "ایک مقتدر جماعت کی ابتدائی" کمریس کی زبان میں "کل ہند انجمن کے لئے ترجیحی حقوق کے ساتھ"۔

سوچیئے کہ اس جماعت کی ترتیب کیا ہو گی۔ اس کی ترتیب یہی

ہوسکتی ہے کہ سب سے پہلے گیارہ صوبوں کی مجلسوں سے ایک حلقہ انتخاب منتخب کیا جائے گا۔ اور یہ انتخاب نمائندگی کے تناسب کے لحاظ سے ہوگا، علیحدہ انتخاب کی صورت میں نہیں۔ جب یہ مجلس تشکیل پا جائے تو میں نہیں سمجھتا کہ وہ سوائے متحدہ انجمن کے کسی اور نتیجے پر کیونکر پہنچ سکتے ہیں اور اسی لئے تو اس طرح کی تشکیل عمل میں لائی جا رہی ہے۔

لیکن غالب اکثریت کی مدد سے جب یہ مجلس دستور ساز دستور مرتب کرلے اور کوئی صوبہ یا مملکت اس سے اتفاق نہ کرے تو کیا واقعی ان کو کسی اور طریقۂ کار کی آزمائش کا موقع دیا جائے گا۔ ابھی بتاؤں گا، یاد رکھئے کہ علیحدہ انتخابی حلقوں سے بھی مسلمان زیادہ سے زیادہ ۲۵ فیصد ہوں گے لیکن تناسب نمائندگی کے طریقے سے تو مجلس میں ان کی تعداد گھٹ جائیگی۔ اس لئے غالب اکثریت غیر مسلم رہے گی، چنانچہ امکانات تو زیادہ تر یہی ہیں کہ دستور ایک ایسی اکثریت بن کے رہ جائے گا جو صرف ایک انجمن کی موافقت میں رہے گی۔

ایک اور بات کا ذکر نہیں کیا گیا، کیا یہ مجلس دستور ساز غالب اکثریت سے فیصلہ کرے گی یا نہیں؟ اس دستور کے مطالعہ سے تو میں سوائے اس کے اور کسی نتیجہ پر نہیں پہنچتا۔ کیونکہ ہر دستور کا مسلمہ اصول ہے کہ جب مخصوص طرز کی اکثریت قائم کرنا ہو تو یہی کہا جاتا ہے، اگر ایسا نہیں ہے تو اس کا مطلب سوائے غالب اکثریت کی حکومت کے اور کچھ نہیں ہوسکتا۔ مثال کے طور پر ہمارے دستور ہی کو لیجئے! اس کی ایک دفعہ ہے کہ دو تہائی اکثریت کے بغیر اس میں تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ یہی ہے مجلس دستور ساز! اگر میں اس پر

تھوڑا سا تبصرہ کر دوں تو مسٹر گاندھی کامل وثوق اور اعتماد کے ساتھ اس مجلس دستور ساز میں آجائیں گے، محض ایک ایسے دستور کے حصول کی خاطر جو کل ہند اتحاد کا مظہر ہو گا۔

موت سے پہلے جب یہ طے پا گیا تو غیر مطمئن اور نارضامند صوبوں کو تسلی دی جائے گی۔ "نہیں، نہیں مرنے سے پہلے تمہیں ایک اور موقع دیا جائے گا" (قہقہے) اور یہ موقع کیا ہے؟ گو دستاویز میں ذکر نہیں ہے لیکن کرپس نے اپنے طور پر بیان کر دیا ہے۔ بے شک مختلف تجاویز پیش کی گئیں، وقت آنے پر ہم بھی اپنی تجویز پیش کریں گے، لیکن فی الوقت تو انھوں نے اپنی رائے ظاہر کی ہے، وہ کہتے ہیں۔ "دیکھیے اگر ۴۱ فیصد مخالف ہوں تو پھر مجلس استصواب ہو گی" کس سے استصواب؟ بے شک، صوبے کا استصواب آپ کن کا حق خود ارادیت حاصل کرنا چاہتے ہیں؟ دونوں قوموں کا حق خود ارادیت یا صرف ایک قوم کا؟ جواب یہی ہو گا، بے شک دونوں کا۔ یہ ہے دوسرا موقع۔ اگر مجلس عوام آپ کے موافق ہو جائے تو کم از کم آپ ہماری قربانی تک تو ذبح ہونے سے بچ جائیں گے (قہقہہ) یہی وہ اہم اور خصوصی مسئلہ ہے جس کا بڑی حد تک مسلم ہندوستان سے تعلق ہے۔

بازگشت۔ حال کے بارے میں تو میں صرف اسی قدر کہہ سکتا ہوں جس قدر کہ دستاویز میں ذکر ہے۔ کیونکہ اس کا تمامتر انحصار قطعی اور آخری صورت پر ہے۔ جانے کیا تصویر ہو گی۔ اس لئے تو میں اس پر کوئی روشنی ڈال نہیں سکتا۔ میں نے آپ کو سمجھا دیا ہے۔ صحیح سمجھا یا ہے۔ اور اگر میں نے کوئی غلطی کی ہے تو اسٹافورڈ کرپس اس غلطی کی اصلاح کر دیں گے

اس "معلنہ مسودہ" کی تشریح کے بعد اگر میں یہ کہوں کہ مسلمان اپنی قومیت اور حیثیت کے تسلیم نہ کئے جانے سے بڑی مایوسی محسوس کرتے ہیں تو شاید یہ آپ کے جذبات کی بازگشت ہوگی۔ صرف مقاصد . . . پر زور دے کر ہندوستانی مسئلہ کو حل کرنے کی ہر کوشش غلط اور بے بنیاد ثابت ہوگی۔ مسلم ہندوستان اس وقت تک رضامند نہ ہوگا جب تک کہ حق خود ارادیت کو تسلیم نہ کر لیا جائے۔

طوق غلامی۔ یہ مسلمہ امر ہے کہ ہندوستان کبھی ایک قوم یا ایک ملک نہیں تھا۔ اس ذیلی براعظم میں تو ہندوستانی مسئلہ بین الاقوامی حیثیت رکھتا ہے۔ ثقافتی تمدنی، معاشرتی، اقتصادی اور سیاسی اختلافات جیسے اساسی عناصر کی پردہ پوشی کرنے اور انھیں نظرانداز کرنے کے بجائے ان سے تو حقیقی صورت ہی میں نمٹنے کی ضرورت ہے! اقلیتوں کی علیحدگی کے متعلق تو مسودے میں نہایت استعارہ سے کام لیا گیا ہے۔ گویا ہندو ہندوستان کے فیصلہ متحدہ ہندوستان کے موافق ہوں گے اور بنگال و پنجاب کے مسلمان ہندو اقلیت کے رحم و کرم پر زندہ رہیں گے نیز ان صوبوں میں جہاں ان کی طاقت اور قوت ہوگی۔ وہاں مسلمانوں کو ہندو راج کی رتھ کے پہیوں سے باندھ دیا جائے گا گویا تمام صوبوں میں مسلمانوں کی گردن پر دائمی غلامی کا جوا رکھ دیا جائے گا

ہم آج بیرونی حملوں کے خطرات، انصرام جنگ کی مساعی اور ہندوستانی مدافعت کی انتہائی خواہشوں کے باوجود اپنی مرضی و منشاء سے تو حال کے بدلے مستقبل کا سودا کرنا نہیں چاہتے۔ اس طرح کا غیر دانشمندانہ اقدام تو مسلمانوں کی آئندہ نسلوں کے حق میں ناانصافی ہوگا

اور اس گناہ کا داغ ہماری پیشانی پر رہے گا۔

لیے مغز۔ جہاں تک تجاویز کا تعلق ہے، مرکزی اور صوبہ واری حکومتوں کے لقضیفہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ موجودہ دستور کے خاکہ ہی میں تصوّر کریں۔ دستاویز سے کسی قطعی چیز کا اخذ کرنا مشکل ہے۔ کیونکہ اس کا دارو مدار اُسی وقت کی مکمل تصویر پر ہوگا، جبکہ وہ بے نقاب ہو جائے گی۔ اس سے پہلے ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ دستاویز تجاویز کا ایک بے مغز ڈھانچہ ہے اس کے نفاذ اور قبول کرنے سے پہلے ابھی اس میں کافی ترمیم واضافہ کی ضرورت ہے۔ ممکن ہے کہ اس صورت میں اصول سے زیادہ تشریحات اہم بن جائیں۔ یہ مسئلہ ہماری سنجیدہ غور و فکر اور گہری تشویش کا باعث بن گیا، خصوصاً تجویز پاکستان سے متعلق جو مسلمانوں کی موت و زندگی کا مسئلہ ہے کافی تردد پیدا ہو گیا ہے۔ اس لئے ہم کوشش کریں گے کہ تجویز پاکستان کو جس کا دستاویز میں نہایت مبہم ذکر کیا گیا ہے۔ نہایت اٹل، واضح اور قطعی طور پر قبول کر لیا جائے۔ ویسے تو ہم مطمئن نہیں ہو سکتے ہم نہیں چاہتے کہ گزشتہ جنگِ عظیم کے بعد کی طرح فلسطین کی تاریخ کو پھر دہرایا جائے۔ ہم نے اس وقت بھی اپنے خون سے معاہدے لکھے۔ اور زر و ذرائع سے مدد کی تھی۔

دستاویز تو پاکستان کو ایک بعید از فہم امکان بتاتا ہے اور نئے دستور کو قطعی ترجیح دیتا ہے۔ جس کا زیادہ تر مقصد، قانون، طرز اور ہیئت سبھی کچھ ہمارے مفاد اور مقاصد کے منافی ہے ہمیں یہ خطرناک کھیل کھیلنے کی دعوت دی جا رہی ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ ہماری مجلس عاملہ ۲۷۔مارچ سے مسلسل ان تجاویز پر غور و فکر کر رہی ہے۔ مجھے توقع ہے کہ سر اسٹافورڈ کرپس اور ملک معظم کی حکومت پاکستان کے اساسی اصول کو مستحکم کرنے اور روبہ عمل لانے میں زیادہ پس و پیش اور تذبذب کا شکار نہ رہیں گے۔

(اجلاس کل ہند مسلم لیگ پٹنہ ——— اپریل ۱۹۴۲ء)

منزلِ ما دور نیست!

میں بے حد ممنون ہوں کہ آپ نے پھر ایک بار مجھے کل ہند مسلم لیگ کی صدارت کا اعزاز بخشا۔ یہ ایسا اعزاز ہے کہ آج ہر شخص اس پر رشک کر سکتا ہے۔ مجھے توقع ہے کہ آپ کے تعاون اور امداد سے آئندہ سال مسلم لیگ کی رہبری کرنے اور اس کی حکمتِ عملی اور نظام العمل کو عملی جامہ پہنانے کے قابل ہو جاؤں گا۔ جہاں تک کل ہند مسلم لیگ کے داخلی امور کا تعلق ہے سب سے پہلے میں آپ کو بتاؤں گا کہ کیونکہ اس نے ملک کے طول و عرض میں بجلی کی سی سرعت سے ترقی کی۔

نارنمرود۔ یقین مانیئے اجلاس الہ آباد کے بعد سے آج ایک سال کے عرصے تک مسلم لیگ کی ترقی روز افزوں رہی۔ آپ واقف ہیں کہ بنگال میں گزشتہ ۱۶ ماہ تک ہم مصائب کا شکار رہے۔ یہ ہماری اپنی بدقسمتی ہے کہ ہماری قوم اور ہمارے اپنے ہی بعض لوگوں نے اپنی غداری کے نیزوں کو ہماری طرف پھیر کر مسلم مفاد کو دھکا پہنچایا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اب تو بلاشبہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ گزشتہ پندرہ مہینوں میں بنگال کے مسلمانوں نے اپنے آپ کو اس قدر منظم اور مستحکم کر لیا ہے کہ جس کی نظیر بنگال کی پچھلی تاریخ میں تو ہرگز نہیں ملتی۔ مجھے یہ کہتے ہوئے شرم محسوس

ہوتی ہے کہ ہم ایک مسلمان وزیر کے جور وستم کا تختۂ مشق بنے رہے۔ اگر میں آپ کو یہ بتاؤں کہ فضل حق کی وزارت کس حد تک اپنے مقام سے نیچے گر گئی تھی ـــــ یقین مانیئے کوئی شریف انسان اس درجہ غلط طریقہ کار پر تو کبھی نہیں جھکتا، لیکن میں بنگال کے مسلمانوں کو مبارکباد دیتا ہوں اور زیادہ تر تو اس تہنیت کے مستحق بنگال کے نوجوان ہیں جنھوں نے اس قیامت خیز ہنگامے میں حصّہ لیا تھا۔ خیر! اب میں چند ماہ پیشتر کے انتخاب نٹور کا ذکر کرتا ہوں۔ مجھے یہ کہتے ہوئے مسرت ہوتی ہے کہ ہمارے مخالفین نے جس امیدوار کو ہمارے امیدوار کے مقابلہ میں کھڑا کیا تھا اس کی ضمانت ضبط ہو گئی۔ اور ہر ذیلی انتخاب میں ہماری جیت رہی اور آخر میں ایوان اعلیٰ میں ہم سو فی صد کامیاب رہے، یہ ستم، یہ ظلم، یہ فتنہ انگیزیاں جو انصاف و مساوات کی اساسی اصول کے منافی ہیں، فضل حق کی حکومت میں پوری طرح جمع ہو گئی تھیں۔ نمرود نے ہمیں آگ میں جھونک دیا تھا لیکن فضل ایزدی نے گلزار بنا دیا۔ ہم آگ کے حلقے سے بچ نکلے اور آج فضل حق کچھ بھی نہیں ہے۔ مجھے توقع ہے کہ باقی زندگی بھر اس کا کوئی مقام نہ ہوگا، اس نے بارہا کہا کہ اگر وہ کوئی رکاوٹ ہے تو ہٹ جانے تیار ہے، لیکن وہ کبھی الگ نہ ہوا۔ میں اپنی تمامتر ذمہ داری اور کافی غور و فکر کے بعد کہہ سکتا ہوں کہ وہ نہ صرف رکاوٹ تھا۔ بلکہ بنگال کی سیاست کے لئے ایک لعنت تھا، وہ مسلمانوں کے لئے بدنما داغ تھا کیونکہ اس نے ہمیں دھوکا دیا۔ وہ ہندوؤں کے لئے بھی ایک مصیبت تھا کیونکہ اس نے کاٹھ کے پتلے اور پالتو کتے کی طرح دُم ہلا ہلا کر ان کی

خدمت کی، اسے اپنے واٹر لو کا انجام مل گیا، اب اس کو باقی عمر سینٹ ہیلنا میں توبہ و استغفار کر کے پچھتانے اور عفو و کرم کا خواستگار رہنے دو تاکہ وہ بخشا جائے۔

افسانۂ بنگال۔ اب بنگال نے ثابت کر دیا کہ یہاں غداری اور منافقت کے لئے قطعی گنجائش نہیں ہے۔ بنگال نے دوسروں کے لیے سبق آموز مثال پیش کی۔ اب آپ کو مسلم لیگ کی آواز، عوام کی آواز پر لبیک کہنا اور ملت کے اقتدار پر جھکنا چاہیئے۔ اگرچہ آپ مسلم دنیا میں کتنے ہی بڑے آدمی ہوں۔

میں خوش ہوں ——— اگرچہ ہمیں گہرائیوں میں جانے کی ضرورت نہیں ——— آسام کا قلمدانِ وزارت مسلم پارٹی کے ہاتھ میں ہے۔ مجلس استقبالیہ کے صدر نے بہت صحیح کہا ہے کہ مسلم لیگ وزارت یا مقتدر مسلم لیگ جماعت آسام میں وزارت کر رہی ہے۔ بالکل اسی طرح لیگ نے اب بنگال میں وزارت تشکیل دی۔ اور اسی طرح سندھ اور پنجاب میں لیکن ہمیں یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ ہم نے فتح پا لی۔ اور یہی سب کچھ ہمارا مدعا ہے۔ یہ تو صرف نقطۂ آغاز ہے۔ اور پھر ہم صرف وزارت کی خاطر مفادات کو قربان کرنا نہیں چاہتے بلکہ ہم تو چاہتے ہیں کہ وزارت ہمارے لئے ایثار و قربانی کرے، جب تک وزارتیں لیگ کے بنیادی اصول اور حکمتِ عملی کے دائرے میں رہیں گی۔ یقیناً ہم ان کی مدد کریں گے لیکن میں یہ بھی واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اب وہ وقت دور نہیں ہے جب کہ ہم لیگ کے بنیادی اصول سے انحراف کرنے والی تمام وزارتوں سے

قطع تعلق کرنے میں ذرا بھی پس وپیش نہیں کریں گے۔ یہ ہے افسانہ بنگال:
سندھ کا حال۔ اب میں سندھ کے بارے میں کچھ بتاؤں گا —— یقین مانیے مبالغہ سے کام نہیں لے رہا ہوں —— تقریباً ۹۹ ٪ مسلمان لیگ کے ساتھ ہیں۔ اگر آپ یہاں لیگ کی برق آسا ترقی و تنظیم پر غور کریں تو یقیناً حیران رہ جائیں گے۔ شمالی مغربی سرحدی صوبہ —— یہی ایک مسلم صوبہ ہے جو ابھی ۹۳ تک ہے —— یہ میری معلومات ہیں جو باوثوق ذریعہ سے مجھ تک پہنچی ہیں —— گزشتہ ۱۶ ایام ماہ کے اندر سارے مسلم عوام بالکلیہ لیگ کے ساتھ ساتھ ہو گئے۔ یہ اطلاعات ہمارے ایجنٹوں اور دوسرے لوگوں کی نہیں ہیں، بلکہ بیرونی نامہ نگاروں کا بیان ہے جو یہاں مقیم تھے اور جنھوں نے بہ نظر غائر مطالعہ کیا۔

سنگِ بنیاد: پنجاب کا بھی یہی حال ہے لیکن مجھے یہ کہتے ہوئے افسوس ہوتا ہے کہ پنجاب نے اپنے اس جوش و خروش اور جذبۂ عمل کا ثبوت نہیں دیا جس کی ہمیں توقع تھی۔ یاد رکھیے، پنجاب پاکستان کا سنگِ بنیاد ہے۔ میں پنجاب کے مندوبین سے استدعا کرتا ہوں کہ جب وہ واپس جائیں تو مہربان، —— میں زیادہ کچھ نہیں کہوں گا —— مہربان، فرقہ واری مفاد، حسد، بغض اور خاندانی امتیازات، نسلی برتری کے بجائے اپنے دل میں اسلام اور اپنی قوم کی محبت و الفت کا جذبہ پرورش کیجیے۔ کیونکہ انھیں عیوب نے آپ کو پچھاڑ دیا ہے، اور گزشتہ دو صوبوں سے آپ قعرِ مذلت میں ہیں، لیکن میں ایک روشنی دیکھ رہا ہوں —— بہت تیز روشنی! جب میں گزشتہ نومبر میں پنجاب گیا تو میں نے اپنے سارے سفر میں

تمام مسلم عوام کو نہایت سادہ اور سنجیدہ پایا میں لیڈروں سے جو واقعی لائق اور قابل لوگ ہیں، اپیل کرتا ہوں کہ اگر وہ مصمم ارادہ کر لیں تو صرف چھ ماہ کے اندر پنجاب کا چہرہ بدل جائے گا۔ میں نے مختصر طور پر بتا دیا کہ مسلم اکثریت کے صوبوں میں مسلم لیگ کا موقف کیا ہے۔

اقلیتی صوبے۔ اقلیت کے صوبوں کو نہ بھولیئے، صرف انھیں کے دم سے تو اکثریت کے تاریک صوبوں میں روشنی پھیل گئی، یہی تو نیزے کی انی ہے جیسے کانگریس مسلم اقلیت کے صوبوں میں اپنی غالب اکثریت سے دبا دینا چاہتی ہے، یہ وہی لوگ ہیں جو آپ کی خاطر اکثریت کے صوبوں میں جبر و تشدد اور مظالم کا شکار رہے ہے، آپ کی خاطر، آپ کے مفاد کی خاطر اور آپ کی فلاح و بہبود کے لئے انھوں نے مصائب و آلام برداشت کئے۔ ہم اقلیتوں نے شدائد جھیلے، اور اگر شمال مغربی اور مشرقی منطقوں کے ۳ ۱/۲ کروڑ مسلمان بھائیوں کو آزادی مل سکتی ہے۔ تو ہم اپنی جان جوکھوں میں ڈالنے تیار ہیں نصب العین۔ ابھی تو ہمیں بہت کچھ کرنا ہے۔ یقیناً ہم نے اپنی جد و جہد کی غرض و غایت کو واضح کر دیا۔ اگر آج بھی کوئی بہانہ کرتا ہے کہ اس نے نہیں سمجھا ہے تو خیر! میں کیا کہوں گا؟ وہ بے وقوف ہے یا پھر بد دیانت اور بے ایمان! ہماری منزل یہاں ہے، ہمارے مطالبات صریح ہیں، ہمارا نصب العین واضح اور صاف ہے، آخر ہم کیا چاہتے ہیں؟ ہم اپنے وطنی منطقوں اور اکثریتی صوبوں میں خود مختار مملکت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں ہم ان علاقوں سے کوئی اتحاد نہیں چاہتے جہاں ہندو اکثریت اور مسلم اقلیت ہے۔ اب میں ہندوستان کی تحریک خود مختاری کے پیش منظر پر

کچھ روشنی ڈالوں گا۔

پس منظر۔ قانون ۱۸۶۱ء [illegible] کی وجہ سے گورنر جنرل کی نام نہاد کونسل میں تھوڑی سی نمائندگی حاصل ہو گئی تھی، اگر آپ یاد کریں تو [illegible] ہو گا کہ ملک کی امپیریل کونسل، لوکل کونسل یا دوسری میونسپل کونسل یا ضلع واری مجلس میں منتخبہ نمائندے بھیجنے کی ابتدا ہو چکی تھی، اس قانون کے نفاذ کا نتیجہ ——— مبالغہ نہیں ہے ——— یہ تھا کہ کسی مسلمان کا [illegible] تھا۔ اس کے بعد ۱۹۰۷ء میں منٹو مارلے اسکیم نے جنم لیا۔ اور اسی وقت انتخابی اصول نے پہلے سے بہت ترقی یافتہ شکل اختیار کر لی تھی۔ اس وقت ان مسلمانوں نے جنہیں ۱۸۹۲ء سے ۱۹۰۷ء تک کے تلخ تجربات نے بہت کچھ سکھا دیا تھا، علیحدہ حلقۂ انتخابات کا مطالبہ کیا، مسٹر گوکھلے جو اس وقت ایک بڑے ہندو تھے ——— اور میں بالکل نوجوان تھا ——— مسٹر گوکھلے اور ایک مشہور آدمی دادا بھائی نوروزجی کے قدموں کے طفیل میں فطری طور پر مسائل کو اخذ کرنا سیکھ لیا تھا، ان کی تجاویز میں ایک تو یہی تھی کہ دو بڑی قوموں کو باہمی سمجھوتہ کر لینا چاہیئے۔ اس وقت مسٹر گوکھلے نے مسلمانوں کے نصب العین کی حمایت کی تھی۔ وہ ایک اعتدال پسند اور روشن دماغ آدمی تھے، ذہانت اور تدبر کا ایک روشن مینار تھے۔ انھوں نے ۱۹۰۹ء میں کہا تھا:۔

"ہندو اکثریت سے سابقہ پڑنے پر مسلمان فطری طور پر ڈرنے لگے ہیں کہ برطانوی جوئے سے چھوٹ جانے کا مطلب ہندوؤں کی دائمی غلامی ہے، کیا تعداد اور دیگر امور کے اعتبار سے ہندوؤں کی حالت

اس وقت مسلمانوں کی سی تھی اور انھوں نے اسی طرح کی غلط فہمی نہیں پھیلائی ہوگی؟ ہم نے بھی انھیں اندیشوں کو محسوس کیا اور اس حکمت عملی کو اختیار کیا جس پر آج سارے مسلمان چل رہے ہیں۔"

ہندو قومیت۔ یہ دادا بھائی نوروزجی کے سے مشہور آدمی کے لوگ تھے جنھوں نے ہمیں ایک واضح اور موزوں سمجھوتے پر اکسایا تھا، لیکن یاد رکھیئے اس وقت بھی وہاں ہندو راج کا خواب دیکھنے والا ایک طبقہ موجود تھا، ایک معروف ہندو لیڈر بپن چندرا کے بیان سے آپ کو اندازہ ہو جائیگا کہ ۱۹۱۳ء میں بھی ایک بڑے طبقہ کا یہی مقصد تھا۔ یہی ۱۹۱۳ء میں مسٹر پال کہتے ہیں:۔

"ہمارے اندر قومی اختلافات ہیں، اس لئے نہ صرف ملکی حد بندی اور سیاسی و معاشی مسابقت اور تصادم پر اس کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے بلکہ ثقافتی اختلافات پر بھی مسلمانوں کے زیر اثر ہم ہندوؤں اور مسلمانوں نے ایک مشترک حکومت قائم کی تھی۔ لیکن اس سے ہندو تمدن کے امتیازات اور خصوصیات تباہ نہ ہو سکیں۔ ہم نے اپنے مسلمان ہمسایوں سے بہت کچھ لیا اور اپنی بہت ساری چیزیں انھیں دیں لیکن تصورات اور مقاصد کے باہمی میل نے ہمارے خصوصی کردار اور امتیازی ثقافت کو نقصان نہیں پہنچایا۔ یہ خصوصی کردار اور امتیازی تمدن ہی آج ہماری قومیت کی روح اور نچوڑ ہے، کسی طرح بھی اسے صرف سیاسی تصور اور نصب العین نہیں کہا جا سکتا۔ ہماری اجتماعی زندگی اور افعال کے ہر شعبے سے اس کا کچھ نہ کچھ ضرور تعلق ہے۔ یہ جذبہ ہماری گھریلو زندگی، فرقہ واری، معاشی

اور معاشرتی اداروں میں پروان چڑھا۔ دراصل بعض نقاط نظر سے سیاست نے ہمارے اندر قومیت کے اس عنصر کو بہت کم تشکیل دیا۔ یورپ کے نام نہاد سیاسی ادارے درحقیقت ہماری قومی زندگی کو آگے بڑھانے کے بجائے الٹا رکاوٹ ڈالتے ہیں، بعض قابل غور حالات میں صرف سیاسی محکومی ہماری قومی زندگی کے آخری دائرے کے محیط پر بھی اثر انداز نہیں ہو سکتی"۔

مزید وہ کہتے ہیں:-

"ہندوستان کی قومی تحریک کا جہاں تک تعلق ہے۔ بنیادی طور پر وہ ایک ہندو تحریک ہے اس کے مقاصد حسب ذیل ہیں۔

نظری طور پر (۱) ہندو قومیت (۲) وفاقی بین الاقوامیت (۳) عالمگیر وفاق۔

عملی طور پر (۱) ہندو ذہنیت، ہندو قومیت اور ہندو تہذیب کا تحفظ (۲) ہمدردانہ ترقی اور دنیا کی تہذیب کا تقابلی مطالعہ، یعنی عیسائیت اور اسلام کے ساتھ جدید ہندوستان کی نمائندگی کرتے ہوئے پرجوش تعاون اور باہمی سمجھوتے کی خواہش (۳) تدریجی وفاقی دستور کی ترتیب کے ساتھ برطانوی رشتے کو قائم رکھنا (۴) ہمہ گیر وفاق کی ترقی"۔

وہ کس لئے کھڑے ہیں؟ ہندو قومیت کے واسطے۔ لیکن میں جرأت کے ساتھ کہتا ہوں کہ دادا بھائی نوروجی سے میں نے بھی کچھ سیکھا ہے اور میری روح و دل کے اندر امید پھوٹ پڑی ہیں اسے دبا دینا نہیں چاہتا تھا۔ بلکہ پروان چڑھانا۔ ۱۹۱۳ء کراچی کے کانگریس اجلاس کے بعد اپنی کوششوں کو المضاعف کر دیا۔ کیا ہوا؟ آپ ہیں سے وہ لوگ جنھیں

کچھ یاد ہے۔ جانتے ہیں کہ ہم نے اس غلط فہمی کو مٹانے کا مکمل ارادہ کر لیا تھا، اس وقت ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں میں طاقت و اقتدار کے بڑے بڑے ستون تھے، جنھوں نے بے حد کوشش کی اور میں اس مقصد میں پرلے درجے کا خاطی تھا، اس لئے میں نے کوشش کی اور ان اداروں ——— کانگریس اور لیگ ——— کو کم از کم ایک شہر میں ملنے کے قابل بنانے میں کامیاب ہو گیا۔ یہ ۱۹۱۵ء کی بات ہے۔ کافی محنت اور جانفشانی کے بعد میں نے انھیں بمبئی میں ایک جگہ جمع کردیا۔ اس وقت لڑائی جاری تھی، اور توقع تھی کہ حکومت اس ملک کی دستوری اصلاح کا اعلان کرے گی۔ ہمارے انگریز دوستوں نے اُس وقت ——— آج بھی میں نہیں سمجھتا کہ انھوں نے یہ کھیل چھوڑ دیا ——— ان دو اداروں کے ایک جگہ ملنے کو پسند نہیں کیا ——— ایک چھت کے نیچے تنہا چھوڑ دو حضرات آپ جانتے ہیں کہ مسلم لیگ کی یہ بیقات پہلے جلسے کے وقت ہی پولیس کے ذریعہ روک دی گئی۔ ہم نے حکومت سے خواہش کی تھی کہ وہ پولیس سے بازپرس کرے۔ ہمارا خیال تھا کہ مسلم لیگ کا یہ جلسہ محض پولیس کی شرارت اور دفتریت کی امداد سے روک دیا گیا ہے میں تفصیل میں جانا نہیں چاہتا۔ یہ ایک تاریخی واقعہ ہے۔ میں صرف پس منظر واضح کرنے کے لیئے ان واقعات پر اچٹتی ہوئی نگاہ ڈال رہا ہوں۔ انھوں نے اچھی طرح دیکھا کہ ہماری غلطی نہیں تھی۔ دوسرے سال یعنی ۱۹۱۶ء میں پھر کانگریس اور مسلم لیگ لکھنؤ میں جمع ہوئے۔ یہاں ہم نے میثاق لکھنؤ پر دستخط کئے، مہر لگائی اور اعلان کر دیا۔ یہ ہندو مسلم میثاق لکھنؤ کے نام سے مشہور ہے۔ لیکن برطانی پارلیمان نے مختلف طریقوں سے اس کو مسخ کر دیا

اس کے بعد مانٹیگو چیمس فورڈ اصطلاحات کا اعلان ہوا۔

گاندھی کا ورود۔ کوئی ۱۹۱۶ء یا ۱۹۱۷ء کا واقعہ ہے۔ یہ سب کچھ ہو رہا تھا کہ مسٹر گاندھی افق پر نمودار ہوئے۔ دیکھیں کیا ہوتا ہے مسٹر گاندھی نے ۱۲ مئی ۱۹۲۰ء کو "ینگ انڈیا" میں بیان شائع کیا۔ آپ کو یاد ہوگا اسی مبارک مہینے میں مسٹر پال نے بھی اعلان کیا تھا، آخر مسٹر گاندھی کیا کہتے ہیں:۔

"یہ دیکھا جائے گا کہ میرے لئے سیاسیات نہیں بلکہ مذہب ہے وہ مذہب کی پیروی کرتے ہیں۔"

اب اس اعلان کے بعد گاندھی نے کیا کیا؟ وہ پھر کہتے ہیں:۔

"میرے اندرونی بیاس نے میرے کسی فیصلے پر بھی حکومت نہیں کی۔ اگر میں سیاسیات میں حصہ لوں تو یہ صرف اس لئے ہے کہ آج ہمارے اطراف سیاست اس طرح لپٹی ہوئی ہے جیسے کوئی اژدہا کنڈلی مارے بیٹھا ہے۔ اور باوجود کوشش کے اس سے بچ نکلنا ممکن نہیں اس سانپ سے جنگ کرنے کے لئے میں خود اور میرے سیاسی دوست مذہب کو سیاست میں داخل کرنے کے تجربے کرتے رہے۔"

مجھے کہنے کی اجازت دیجئے کہ انھوں نے یہ سب انتقام کی خاطر کیا۔ میں آگے بتاؤں گا ۱۹۲۱ء میں جب کہ وہ بمقام ناگپور کانگریس میں داخل ہوئے تو ۱۲۔ اکتوبر ۱۹۲۱ء کو "ینگ انڈیا" میں بیان شائع کیا:۔

"میں اپنے آپ کو رجعت پسند ہندو کہتا ہوں، کیونکہ پہلی چیز تو یہ ہے کہ میں ویدوں، اپنشدوں، پرانوں اور ان تمام چیزوں پر جو ہندو صحیفوں کا درجہ رکھتے ہیں۔ اعتقاد رکھتا ہوں اور اسی لئے اوتار اور تناسخ پر بھی میرا

ایمان ہے۔"

یہی وجہ ہے کہ وہ خود بھی ایک اوتار بن گئے (قہقہے)

"دوسرا سبب یہ ہے کہ میں ورن آشرما دھرما (قانون ذات پات) کی ویدی صورت پر ایقان رکھتا ہوں۔

تیسری بات یہ ہے کہ میں گائے کو ایک عقیدے کی چیز سمجھ کر اس کی حفاظت کا اعتقاد رکھتا ہوں۔ چوتھی چیز یہ ہے کہ میں بت پرستی سے انکار نہیں کرتا۔"

وہ نہایت نرم انداز میں کہتے ہیں "میں بت پرستی سے انکار نہیں کرتا۔ باوجود اس قدر صریح اور بین اعلان کے ہندو قوم پرست کچھ مایوس ہو گئے! انھیں یقین نہیں تھا کہ یہاں کوئی آدمی، اس قدر دور اندیش اور فریبی ہو گا۔ اس لئے کچھ اضمحلال اور مایوسی پیدا ہو گئی تھی، انھیں یقین دلانے کے لئے گاندھی نے ۱۹۲۴ء میں کہا:— مسلمان دوستوں کے ساتھ زیادہ رہنے کی وجہ سے کانا پھوسی ہو رہی ہے، میں اپنے کو ہندو ذہنیت سمجھنے کے قابل نہیں پاتا۔ میرا ذہن بھی تو ہندو ہے۔ یقیناً میں ہندو ذہنیت کو، جاننے کے لئے ہندوؤں میں نہیں رہتا، حالانکہ میرے وجود کا ہر ریشہ ہندو ہے۔"

"میری ہندوئیت کو بہت معمولی ہونا چاہئے جب کہ یہ انتہائی مخالفت میں نشوونما پا سکتی۔"

آپ کو یاد ہو گا کہ جب میں نے ایک ہندو لیڈر کی حیثیت سے ان سے ملنے کی خواہش کی تو انھوں نے انکار کر دیا۔ حتیٰ کہ وہ اب بھی کہتے ہیں "میرے

میرے وجود کا ہر ریشہ ہندو ہے"۔ اس کا مفہوم یہی ہے کہ ان کی ہندو ذہنیت ناقابلِ تسخیر ہے۔ یہ ۱۹۲۴ء کا زمانہ تھا

دو عملی۔ خواتین و حضرات! آپ جانتے ہیں کہ ۱۹۲۵ء سے ہندو مسلم اختلافات کو، مٹانے کی بہتیری کوششیں کی گئیں۔ ہر بار ہم اپنی تجاویز کے ساتھ کانگریس اور گاندھی کے دروازے پر کھڑے رہتے تھے، کسی نہ کسی وجہ سے جواب صرف ایک ہی ملتا —— "نہیں"۔ انھوں نے کوئی متبادل منقولہ پیش نہیں کیا۔ ۱۹۰۷ء میں بمقام دہلی ہم نے چند تجاویز پیش کی تھیں، کسی نہ کسی طرح خوش قسمتی یا بدقسمتی سے کانگریس نے ۱۹۲۷ء میں بمقام دہلی قبول کر لیا، اس لئے فرقہ واری سمجھوتہ اور مشترک سیاسی مطالبہ کی غرض سے کانگریس اور مسلم لیگ کی دو کمیٹیاں بنائی گئیں۔ لیکن جب یہ دو جماعتیں ہیں تو مسٹر گاندھی ہی وہ شخص تھے جنھوں نے اسے نہیں نہیں کہہ دیا۔ (شرم، شرم) اور بعدازاں ان جماعتوں کی قراردادوں کے بالکل خلاف نہرو رپورٹ شائع ہوئی۔ پھر بھی یہ جماعتیں ایک جگہ جمع ہوئیں۔ لیکن اب وہ ختم ہو چکی تھیں۔ اس طرح ہمیں اپنی تجاویز واپس لینے پر مجبور کیا گیا۔ پھر کیا ہوا؟ نہرو رپورٹ شائع ہوئی۔ آپ اس کی تاریخ جانتے ہیں۔ میں نہرو رپورٹ سے متعلق مولانا محمد علیؒ کا خیال ظاہر کر دوں گا، وہ ایک آزاد مرد تھے۔ بعض کانگریسی مسلمان نسبتاً زیادہ مصائب میں گھرے رہے، مولانا محمد علیؒ کہتے ہیں:۔ —— کمپنی کی حکومت کے زمانے میں گلی کوچوں میں اعلان کرنے والے سرکاری کارندے حکومت کے قطعی اعلان سے پہلے ہندوستان کی دو عملی حکومت کا اعلان کرتے تھے، خلق خدا کی —— ملک ملکہ کا ——

حکم کمپنی بہادر کا!

لیکن نہرو اسکیم کی مجوزہ حکومت اور گاندھی کے دور میں یہی کارندے ایک نئی دو عملی کا اعلان کریں گے —— خلق خدا کی —— ملک انگریز کا —— حکم مہا سبھا بہادر کا!"

۱۹۳۰ء میں بمبئی کے ایک پبلک جلسے کی صدارت کرتے ہوئے مولانا محمد علی نے فرمایا، "مسٹر گاندھی ایک فرقہ پرست ہندو مہا سبھا کے زیر اثر کام کر رہے ہیں۔ وہ ہندو مت کی برتری اور اسلام کی محکومی کے لئے لڑ رہے ہیں، انھوں نے تحریک سیول نافرمانی شروع کرنے میں مسلمانوں سے ہرگز مشورہ نہیں لیا۔ وہ ہندوستانی مسلمانوں کے سروں کو روندتے ہوئے نہایت کامیابی سے گزرنا چاہتے ہیں۔ ہم نے کسی اقرار نامے کسی معاہدے اور کسی دستاویز کی خلاف ورزی نہیں کی، ہم ملک کے غدار نہیں ہیں، گزشتہ دس برس سے مسلمان ہندو اکثریت کے جور و ستم کا تختۂ مشق رہے لیکن مسٹر گاندھی نے کبھی اس کو اہمیت نہیں دی۔ اور نہ ہی ہندو دہشت پسندی کی مذمت کی: انھوں نے شدھی اور سنگھٹن تحریک کو ملامت بھی نہیں کی حالانکہ اس کا کھلا مقصد ہندوستان میں مسلمانوں اور اسلام کی ابدی غلامی اور ہلاکت تھا! انھوں نے ہندو مسلم معاہدۂ مدراس کو رد کر دیا۔ اب ہمیں اختیار نہیں بلکہ قرآنی تعلیمات کی سخت پابندی کرنی چاہیئے —— اگر تمہیں کسی جماعت سے معاہدہ فسخ کر دینے کا اندیشہ ہو تو تم بھی اس کے معاہدے کو اس کے منہ پر پھینک مارو، اللہ تعالیٰ غداروں اور معاہدہ توڑنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

بہانہ بسیار۔ اب ہم دوسری گول میز کانفرنس کا ذکر کریں گے۔ جب کہ پہلی مرتبہ مسٹر گاندھی بالکل کانگریسی نمائندے کی حیثیت سے شریک تھے، وہاں کیا ہوا؟ سمجھوتے کی ساری کوششوں پر انھوں نے کسی نہ کسی بہانے پانی پھیر دیا۔ ڈاکٹر امبیڈکر کی کتاب میں گاندھی کی پیش کردہ شرائط میں سے ایک کا ذکر ملتا ہے۔ گاندھی مسلمانوں سے سمجھوتے کے لئے صرف ایسی صورت میں تیار تھے۔ جب کہ وہ ہندوستان کی تمام دیگر ذیلی جماعتوں کے علیحدہ حلقۂ انتخاب کی مخالفت کریں۔ بالفاظ دیگر مسٹر گاندھی ذیلی فرقوں کو کسی قسم کی مراعات نہیں دینا چاہتے تھے۔

حضرات! ذرا غور فرمائیے ایک ایسے شخص کے لئے جو عزت واحترام دیانت ومساوات، رواداری اور انصاف کا ذرّہ بھر بھی احساس رکھتا ہو یہ قبول کر لینا کیونکر ممکن ہے۔ ان ۶ کروڑ مسلمانوں کو جو ہندوستان کے ماتھے پر کلنگ کا ٹیکہ ہیں، اچھوتوں کی طرح سناتنوں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا جائے جب کہ گاندھی سب سے بڑے سناتنی ہیں۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ بحیثیت انسان میں مسلمانوں سے زیادہ ان کی فکر کرتا ہوں۔ بہر حال ہم مسلمان لینے اور دینے کے قائل نہیں، غرض ہم مسٹر گاندھی کی مضحکہ خیز اور نامعقول تجاویز قبول کرنا نہیں چاہتے۔ دوسرا جزیہ تھا کہ مسلمانوں کو ہندوستان کی آزادی کے لئے لڑنا ہوگا۔ کیا میں اس درجہ ذلیل ہوں جو ایسی شرائط قبول کر لیتا؟ میں تو اس ملک کے باشندوں کی آزادی کا سب سے زیادہ حامی ہوں۔ یہ تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے مسٹر گاندھی نے ملک کی آزادی اور حب الوطنی کا اجارہ لے رکھا ہے۔ یہ فطرتاً مسترد

کردی گئی۔ جب گول میز کانفرنس کی اقلیتی کمیٹی نے ملاقات کی تو گاندھی نے یہی کہا۔ اور وہ اصل چیز جو گاندھی کے تصورات کے پیچھے کام کرتی رہی وہ ایسے نازک وقت پر کسی نہ کسی طرح جھانکتی رہی۔ مسٹر میکڈانلڈ کی صدارت میں وہ اقلیتی کمیٹی کو مخاطب کر رہے تھے، انھوں نے کہا:-

"مزید آپ مجھے یہ کہنے کی اجازت دیں گے کہ اقلیتی کمیٹی کو طلب کرنے کا یہ اہم موقع تھا۔ فرقہ واری کشمکش کا حل سوراج دستور کے تاج میں مضمر ہے۔ اس بنیاد میں نہیں۔ ہمارے اختلافات نہایت شدید ہو گئے ہیں۔ بیرونی اقتدار ان کی پیدائش کا ذمہ دار ہے۔ مجھے کامل یقین ہے کہ فرقہ واری اختلافات کی برفانی چٹان آفتاب آزادی کی گرمی سے پگھل جائے گی۔"

مسٹر میکڈانلڈ نے کیا کہا؟ وزیراعظم اس قدر اکسایا گیا تھا کہ وہ بھی کہہ اٹھا۔ مسٹر میکڈانلڈ کے بارے میں جو بھی کہا جائے۔ لیکن وہ ہندوستان کی تمناؤں سے بالکل کورے تھے۔ انھوں نے مسٹر گاندھی سے کہا:- "ایمانداری سے کام لو اور حقائق پر غور کرو۔ فرقہ واری مسئلہ حقائق کا مسئلہ ہے، ہندوستان میں اس مسئلہ کا وجود ہے بھی یا نہیں؟ میں جواب نہیں دیتا، یہ تو میں تم ہی پر چھوڑ دیتا ہوں کہ ایمانداری سے اپنے آپ سے سوال کرو۔

اگر فرقہ واری مسئلہ کوئی حقیقت رکھتا ہے تو یہاں یا ہندوستان میں اس کے تصفیے پر کیونکر بحث کی جا سکتی ہے؟ ہندوستانی دستور کی ترتیب و تشکیل کی ہر ترقی اور بنیاد میں فرقہ واری نمائندگی، فرقہ واری حقوق

اور فرقہ واری تحفظ کے مسائل موجود رہتے ہیں۔۔۔۔۔"

دُم چھلّے۔ گول میز کانفرنس کا باب ختم ہو گیا۔ اس کے بعد کیا ہوا؟ میں بہت اجمالی طور پر بیان کروں گا۔ مسٹر گاندھی نے حسب ذیل ادارے کھولے

(۱) سیواگرام میں گاندھی آشرم کی بنیاد رکھی۔ (کانگریس کا دارالخلافہ اور گاندھیت کا مرکز)

(۲) گاندھی سیوا سنگھ۔ (گاندھی کے نوحواری کی ایک جماعت جو ایک خفیہ اور اندرونی کابینہ تشکیل دیتے ہیں۔)

(۳) گاندھی ہریجن سیوا سنگھ۔ (پست اقوام کی حفاظت)

(۴) گاندھی ہندی پرچار سنگھ۔

(۵) گاندھی ناگری پرچار سبھا۔

(۶) گاندھی دیہات سدھار سبھا۔

(۷) گاندھی کھادی پرچار سبھا۔

(۸) گاندھی وردھا تعلیمی سنگھ۔

(۹) گاندھی گئو رکھشا سبھا۔

گائے کی پوجا سے گاندھی کو بے حد عقیدت ہے۔ اس لئے انھوں نے گئو رکھشا سبھا اور گائے کی نمائش کو کانگریس کے ماتحت کر دیا۔

گاندھی سیوا سنگھ ان تمام انجمنوں کی بڑی ماں ہے (قہقہے) گاندھی سیوا سنگھ کو مخاطب کرتے ہوئے مسٹر گاندھی کہتے ہیں:- ان تمام انجمنوں کے فرائض معین ہیں، لیکن تمہارے فرائض لامحدود ہیں تم ایک تناور درخت ہو۔ اور یہ تمام انجمنیں تمہاری شاخیں ہیں۔"

اس طرح مخاطب کیا انھوں نے اپنی بڑی ماں کو، صرف اتنا ہی نہیں بلکہ انھوں نے بعض نائبوں کو مقرر کیا۔ تمام برّاعظم کو تین ابتدائی منطقوں میں تقسیم کرنے اور تین علیٰحدہ آمروں کے تقرر کے علاوہ تقریباً تمام صوبوں میں آہستہ آہستہ مستقل گماشتہ مہاتماؤں کو وجود میں لایا گیا، یہ نائب مہاتما گاندھیت کے بہت معتقد ہیں۔ گاندھی کے اصولوں پر ایقان رکھتے ہیں، اس کے پیام پہنچاتے اور اس کے احکام بجا لاتے ہیں۔ مثال کے طور پر کل ہند کانگریس کے معتمد "آچاریہ کرپلانی" گاندھیت کے زبردست حامی اور مبلغ ہیں۔ انھوں نے ایک مشہور مضمون "گاندھی طریقت" بھی لکھا ہے۔ ہندی اور ناگری کے گاندھی پروگرام کے نگران کار کاکا لیلکر ہیں۔ مشرو والا گاندھی سیوا سنگھ کا نگران ہے۔ وردھا تعلیمی اسکیم کے چلانے والے مسٹر آریا نائکم اور کمر یا ہیں، ڈاکٹر پرپھول چندرا گوش بنگال کے نمائندہ گاندھی ہیں اور بنگال گاندھی آشرم اور کھادی پرچار کے نگراں ہیں۔ بہار کے نائب گاندھی راجندر پرشاد ہیں، اور صداقت آشرم کے نگراں بھی ہیں۔ صوبہ سرحد کے گاندھی خان عبدالغفار جنگجو پٹھانوں میں ہندو اثرات پیدا کرنے کے ذمہ دار ہندو راج کے خواب گراں کے آلہ کار ہیں۔ اور صوبہ سرحد کے گاندھی آشرم کے نگران بھی ہیں۔ گجرات اور بمبئی کے گماشتہ گاندھی سردار پٹیل ہیں شنکر راؤ مہاراشٹر کے گاندھی ہیں۔ گاندھیت کے ایک اور علمبردار پٹا بھی سیتا رامیا اندھرا کے گاندھی ہیں۔ اور یہ سلسلہ بڑھتا ہی جاتا ہے۔

گاندھی، ہٹلر اور مسولینی۔ یہ کوئی میری تصدیق نہیں ہے۔ میں تو صرف

تری پوری کل ہند کانگریس کمیٹی کے صدر استقبالیہ کا بیان پیش کر رہا ہوں اس وقت تو کانگریسی تنظیم بہت زبردست ترقی کر چکی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ لوگ پہلے حقائق کو سمجھ لیں اور پھر نتائج اخذ کریں۔ صدر استقبالیہ سیٹھ گوبنداس نے کہا:۔

ہمارے ادارۂ کانگریس کا اٹلی کی فاسسٹی جماعت، جرمنی کی نازی پارٹی اور سوویٹ روس کی کمیونسٹ پارٹی سے مقابلہ کیا جا سکتا ہے اگرچہ کہ وہ تشدد کے علمبردار ہیں اور ہم عدم تشدد کے حامی ہیں۔ اٹلی کے جملہ باشندے فاسسٹی نہیں ہیں۔ جرمنی کی ساری آبادی نازی نہیں ہے اور نہ تھی۔ تمام روسی کمیونسٹ ہیں۔ گو ہر ہندوستانی کانگریس کا چار آنہ کا رکن نہیں ہے۔ پھر بھی تمام ہندوستانی کانگریس کے ساتھ ہیں۔ کانگریس میں مہاتما گاندھی کا مقام وہی ہے جو فاسسٹیوں میں مسولینی اور نازیوں میں ہٹلر اور کمیونسٹوں میں اسٹالن کو حاصل ہے۔ کانگریس کی موجودہ عمارت مہاتما گاندھی کی مرہون منت ہے۔"

اس ادارے نے ہمیں بارہا کہا کہ مسلم لیگ ایک فرقہ واری ادارہ ہے۔ یہ صرف کانگریسی زعماء ہی ہیں جنہوں نے پرکاریوں، شاطرانہ چالوں اور ہنرمندانہ مکاریوں سے اپنے آپ کو منظم کر کے ایک خاص مقصد کے تحت ان دو بڑے فرقوں کی باہمی مصالحت کے ہر امکانی رشتے کو ختم کر دیا۔ اور لطف یہ کہ اسے قوم پرستی اور جمہوریت کا نام دیا جاتا ہے۔

میں پوچھتا ہوں کیا یہی ہے قوم پرستی؟ یہی ہے جمہوریت؟ (نعرے نہیں، نہیں) ہمارا ایک نہیں، ہمارے گزشتہ پچیس سالہ تجربہ اور ناقابل تردید

حقیقت کا نچوڑ ہے۔ لیکن ہم کو یہ سن کر ضرور تکلیف ہوئی جب انھوں نے ریاکارانہ انداز میں کہا "تم نے اسے تباہ کر دیا" تم قومیت اور جمہوریت کا راگ الاپتے ہو۔ یا تو وہ سمجھ نہیں سکتے یا پھر وہ بد دیانت ہیں، کیا وہ یہ نہیں سمجھ سکتے جب ہم کہتے ہیں کہ پارلیمانی طرز جمہوریت اس ملک کے لئے قطعی ناساز گار ہے؟ یہ بالکل واضح ہے۔ ایک مقبول عام نمائندہ دستوری حکومت کی بنیاد پر یہ کوئی جمہوریت کا سوال نہیں ہے۔

الٹ دو نقاب۔ ہم نے پہلے واضح کر دیا تھا کہ اس قسم کے گھناؤنے قومی مقاصد کے ساتھ تو اس ملک میں جمہوریت کا قیام دلوانے کا خواب ہے ہمارے پاس نہ صرف ثبوت ہے بلکہ ہم نے خود مصائب جھیلے اور تجربے حاصل کئے ہیں۔ جب تم جمہوریت کا راگ الاپتے ہو تو بالکل بد دیانت بن جاتے ہو۔ جمہوریت سے تمہارا مطلب ہندو راج ہے۔ تم مسلمانوں پر اقتدار حاصل کرنا چاہتے ہو۔ ایک ایسی قوم پر جو بالکل جدا ہے۔ اپنی تہذیب اپنے تمدن اور اپنی ثقافت ہر لحاظ سے مختلف ہے۔ تم خود اپنے ہندو راج اور ہندو قوم کے مفاد کی خاطر کام کر رہے ہو۔

خواتین و حضرات! ہم نے تیرہ سو برس پہلے جمہوریت کا سبق پڑھا۔ یہ تو ہمارے خون میں جاری و ساری ہے اور ہندو سماج سے اتنی ہی دور ہے جتنے کہ قطبین! (پر زور تالیاں) تم کہتے ہو کہ ہم جمہوریت پسند نہیں ہیں، لیکن واقعہ اس کے خلاف ہے۔ یہ تو صرف ہم ہی ہیں جنھوں نے مساوات اور بھائی چارہ کا دنیا کو درس دیا۔ تمہارے اندر تو ایک فرقہ دوسرے کا ایک پیالہ پانی بھی نہیں پیتا، کیا اسی کا نام جمہوریت ہے؟

یہی ایمانداری ہے؟ ہم جمہوریت کے رسیا ہیں، لیکن تمہاری مجوزہ جمہوریت نہیں چاہتے جو کہ تمام ہندوستان کو ایک گاندھی آشرم بنا دے گی۔ یا پھر ایک مخصوص سماج، مخصوص قوم اور غالب اکثریت دوسری اقلیت والی قوم کی معاشرت قومیت اور ہر عزیز چیز کو تباہ کر دے گی۔

میں چند حقائق پیش کرتا ہوں، میں کہتا ہوں، چھوڑ دو یہ ڈھنگ، الٹ دو یہ نقاب، بدل دو اپنی روش، تم نے اپنا بستر بچھا لیا ہے، تم اس پر سو سکتے ہو، اپنی ہندو قومیت بنا لو، تسکین قلب کے لئے اپنی جمہوریت قائم کر لو۔ اگر تم کر سکتے ہو تو اپنا ہندوستان بھی تعمیر کر لو، میری خواہش ہے کہ خدا تمہیں استطاعت بخشے۔ لیکن جب تک ایک مسلمان بھی زندہ ہے۔ ہندو راج کو ہرگز قبول نہ کروں گا۔ ایک آئرش لیڈر ریڈ مین، ایک آسٹر لیڈر کارسن سے ملا اور بولا "کیوں ہم کسی سمجھوتے پر نہیں پہنچتے، کیوں تم آئرلینڈ سے علیحدگی چاہتے ہو؟ یاد رکھو آئرلینڈ اور آسٹر کے باشندوں میں لاکھواں حصہ بھی اختلاف نہیں ہے۔" کارسن نے جواب دیا؟ "میں تمہارا محکوم رہنا نہیں چاہتا۔"

باہمی فیصلہ۔ یہ ہے صورت حال، میں صرف اپیل کرتا ہوں۔ اگر میری نحیف آواز ہندو ہندوستان تک پہنچ سکتی ہے۔ تو میں ان سے صرف اپیل کرتا ہوں "طرز بدل دو" تم اس ملک کی آزادی چاہتے ہو، میں اپنے لئے بلکہ مسلمانوں کے لئے کہتا ہوں، بعض ہندو لیڈروں کے طفلانہ خوابوں کو چھوڑ دو، اپنا شعار بدل دو اور یہ مکاری کی نقاب الٹ دو۔ تم ناکام ہو گے، خدا کا شکر ہے کہ تم ناکام رہو گے۔

وہ قومیں بھی جنہوں نے ایک دوسرے کا خون پیا، لاکھوں آدمی

قتل کر دیئے ——— ہم نے اب تک نہیں ——— جو آج جانی دشمن ہیں کل دوست بن جاتے ہیں، یہی سیاست ہے اگر تمہارے لیڈر اس راہ پر چلیں تو کامیابی یقینی ہے، اگر تم اسے نہ مانو تو ذمہ داری تمہاری ہوگی اور جواب دہ تم ہوگے۔ ہندو عوام کا فریضہ ہے کہ وہ آگے بڑھ کر کہہ دیں۔ بس ختم کرو ہلاکت، عارضی صلح کا اعلان کر دو، ہم برابری سے بیٹھ کر کوئی سمجھوتہ کریں گے۔" اب یہی تو مسئلہ ہے، میں تم سے پوچھتا ہوں ——— ہو سکتا ہے کہ میں غلطی پر ہوں ——— تم کس حد تک یہ کہہ سکتے ہو کہ حکومت برطانیہ نے پھوٹ ڈالی؟ کب تک تم یہی نعرہ لگاتے رہو گے؟ میں حکومت برطانیہ کی صفائی نہیں پیش کر رہا ہوں۔ بلکہ میں بھی ان کے بارے میں کچھ کہوں گا لیکن پہلے تو میں اپنے ملک والوں سے اس کا ثبوت چاہتا ہوں۔ یہ شور سے کوئی فائدہ نہیں کہ حکومت برطانیہ ہمارا یا ہمی فیصلہ نہیں چاہتی ہے، بے شک مجھے اعتراف ہے کہ انگریز ہماری حماقتوں سے فائدہ اٹھا رہے ہیں، لیکن لیکن ہم خود اپنی ترکیب سے کام لے سکتے ہیں۔ جو برطانیہ کی پھوٹ ڈالنے والی ہر کوشش سے بہتر ہے۔ جب ہزاروں مرتبہ معلوم ہو گیا کہ برطانوی حکمت عملی پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو ہے، تو پھر کیوں ہم متحد ہو کر انہیں نکال نہیں دیتے؟ ان کے بجائے ہم خود کیوں یہ نہیں کر سکتے، اس لئے میں کہتا ہوں کہ دنیا کی دوسری قوموں سے بھیک مانگنا بے سود ہے۔

"اقوام عالم ہماری آزادی اور مطالبۂ خود مختاری سے صرف اظہار ہمدردی کر سکتی ہیں، بلاشبہ وہ امکانی حد تک ہماری مدد بھی کریں گی لیکن اپنے معاملات کے تصفیہ میں اوروں کی منت وسماجت سے کیا حاصل؟ کوئی

یہ کیسے کہہ سکتا ہے؟ کیا وہ یہاں حکومت کرنا چاہتے ہیں؟ کیا وہ تمہاری پارلیمان میں اپنے نمائندے بھیج کر دیکھنا چاہتے ہیں کہ پارلیمان ٹھیک طور پر اپنے فرائض سے عہدہ برآ ہو رہی ہے یا نہیں؟ کیا کوئی دوسرا ملک تمہاری مقننہ میں اپنے نمائندے بھیج کر آزمائش کرے گا کہ مقننہ برابر کام کر رہی ہے؟ اگر وہ یہ کر سکتے ہیں تو پھر ہم جو کچھ کر رہے ہیں ٹھیک ہے، یہ تو خود تمہارے نمائندے ہوں گے۔ تمہاری کابینہ ہوگی جو کام کرے گی۔ اس لئے تو میں کہتا ہوں کہ ہماری قسمت خود ہمارے ہاتھ میں ہے۔ خصوصاً اس وقت جب کہ موانعات سد راہ ہوں، یہی تو حیرت انگیز بات ہے کہ موانعات کے باوجود کیونکہ ہم ایک تصفیہ، مصالحت اور سمجھوتے پر پہنچ سکتے ہیں۔

دوہری شخصیت۔ اب ذرا تازہ واقعات کو دیکھئے۔ ملک معظم کی حکومت کی طرف سے اسٹافورڈ کرپس کی پیش کردہ تجاویز کے بارے میں اپنی قرارداد لاہور کے سوا کچھ کہنا نہیں چاہتا، اگرچہ اجلاس الہ آباد کے بعد ہی لیگ نے قطعی فیصلہ کر دیا تھا۔ آپ دلائل اور اساس سے واقف ہیں میں وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا۔ بعض وجوہات کی بناء پر کانگریس اور مسلم لیگ دونوں کے لئے بھی کرپس تجاویز ناقابل قبول تھیں۔ گاندھی کی آخری تقریر کانگریس کے مطمح نظر کو واضح کر دیتی ہے کہ وہ نہ صرف تجویز پاکستان کے خلاف ہے بلکہ اسے ایک گناہ عظیم خیال کرتی ہے۔ اگر آپ مسٹر گاندھی کو جانتے ہیں وہ کوئی پرشکوہ لفظ استعمال نہیں کر سکتے۔ یاد رکھئے جرم نہیں بلکہ گناہ ہے اگر آپ پاکستان کا ذکر کریں تو دنیا کے علاوہ عاقبت بھی خراب ہوگی جب یہ چیزیں بے پردہ ہو گئیں تو کانگریس نے کرپس تجاویز قبول نہیں کیں۔

کرپس اور کانگریس کے درمیان کیا ہوا۔ میں نہیں جانتا ——— عوام کی حد تک تو یہ کہا گیا ہے کہ صرف دو چیزوں کے لئے رد کر دیا۔ ایک حق تنسیخ اور دوسرے دفتر دفاع، خیر! جس وقت کرپس اور کانگریس کے درمیان اس موضوع پر بحث ہو رہی تھی تو پنڈت جواہر لال نہرو نے لاسلکی کے ذریعہ ایک بیان امریکہ بھیجا۔ جو ۱۹۔ جولائی ۱۹۴۲ء کو "نیویارک ٹائمس" میں چھپ گیا، وہ کہتے ہیں :-

"تیس سال پہلے حکومت برطانیہ نے ہندوستان کو علیحدہ مذہبی حلقہ انتخاب سے متعارف کرایا۔ یہ ایک ایسی مہلک چیز تھی جس نے آج سیاسی جماعتوں کی صورت اختیار کر لی ہے۔ اب وہ ہندوستان کو نہ صرف دو حصوں بلکہ ممکنہ مختلف حصوں میں تقسیم کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ کرپس تجاویز کی یہی ایک دفعہ ایسی چیز تھی جس نے شدید مخالفت پر آمادہ کیا۔ کل ہند کانگریس کبھی اسے تسلیم نہیں کر سکتی۔"

بھلا اسے تنسیخ اور دفاع سے کیا تعلق ہے؟ یا پھر اس کا منشا یہ تھا کہ کل ہند کانگریس پاکستان کے کسی تصور کو تسلیم نہیں کرے گی؟ اس ملک میں ایک بیان دیا گیا اور امریکہ میں دوسرا! امریکن خود پروپیگنڈسٹ ہیں، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ وہ بہت اچھی طرح جانتے ہیں کہ کل ہند کانگریس سے زیادہ بہتر پروپیگنڈسٹ کوئی نہیں ہے۔

رشی کے فاقے۔ اس کے بعد آپ کو سیول نافرمانی پر غور کرنا ہے۔ یہ کسی سیاسی مقصد کے لئے نہیں۔ بلکہ آزادی تقریر کے لئے تھی تم کس قسم کی آزادئ تقریر چاہتے ہو؟ ——— مساعی جنگ میں روڑا اٹکانے اور

اور مخالف تشہیر کے لئے تقریری آزادی؟ میں سمجھتا ہوں کہ اگر ہماری ایسی حکومت ہوتی اور کوئی شخص یا ملک کی زبردست تنظیم یا ادارہ اس خصوص میں یعنی مساعی جنگ کو روکنے کے لئے پوری طرح تقریری آزادی چاہتا تو میں بھی نظر انداز نہ کرتا۔ میں انھیں جیل بھیج دیتا۔ لیکن اگر کوئی ایماندارانہ پرخلوص اور اصولی بات ہوتی تو سمجھنے کی بھی کوشش کرتا ہوتا۔ مگر اب تم ایک بیرونی حکومت سے کیونکر توقع کرتے ہو کہ وہ تمہیں اس طرح کی آزادی دیدے؟ ذرا تو عقل سلیم سے کام لینا چاہیئے۔ کیا واقعی یہ سارا کھیل آزادئ تقریر کے لئے تھا۔ یا پھر نہ صرف مساعئ جنگ میں روڑا اڑا لنے بلکہ برطانوی حکومت سے اپنے مطالبات منوانے کے لئے جبر کرنا اور دباؤ ڈالنا تھا؟ اسی دوران میں مسٹر گاندھی کہہ رہے تھے کہ وہ اپنی تحریک سیول نافرمانی جاری رکھنا نہیں چاہتے، کیونکہ یہ ایک طرح کی خودکشی ہو جائے گی۔ لیکن یاد رکھیئے مسٹر گاندھی نے کہا تھا کہ وہ اپنی تحریک سیول نافرمانی جاری رکھنا نہیں چاہتے کیونکہ یہ چیز مسلم لیگ کی تمناؤں کے منافی ہے۔ گزشتہ بائیس برس سے وہ برابر یہی کہتے چلے آرہے ہیں کہ وہ ہندو مسلم اتحاد کے لئے زندہ ہیں ان کا اہم مقصد ہندو مسلم اتحاد ہے اور ہندو مسلم مفاہمت کے بغیر حصول آزادی غیر ممکن ہے۔ گزشتہ سال جولائی میں جب انھوں نے ایک نئی چال چلی، بالکل نئی طرز، تو کیا اس وقت مسلم لیگ کو نظر انداز کر دینا اور یہ لاعلمی کہ آیا مسلم لیگ حصہ لے رہی ہے یا نہیں، خودکشی نہیں تھی؟ انھوں نے اپنے بائیس سالہ اعلانات اور بیانات پر نظر ثانی کی اور کہا کہ ہندو مسلم مصالحت اور اتحاد کے بغیر سوراج

ناممکن ہے لیکن جب ۸۔ اگست کو گاندھی نے اپنی مشہور قرارداد میں اپنی حکمتِ عملی اور نظام العمل مرتب کیا۔ تو گویا یہ سب یاد رہا بن گیا۔ یہ کیا ہے؟ "ہندوستان چھوڑ دو" یہ بدترین بداخلاقی دیکھیے! قطعی پرواہ مت کرو کہ ملک کے ۰ا کروڑ لوگ کیا کہتے ہیں! میں تو حکومت سے اپنی بات منوا کر ہی رہوں گا، انگریزوں نے کہا ——— یاد رکھیے میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ انھوں نے سب کچھ صحیح کہا ——— انھوں نے کہا "کانگریس کی روک تھام سے تو درحقیقت ہم تمہاری حفاظت کر رہے ہیں اور تمہارے مفاد کا تحفظ کر رہے ہیں۔ کیونکہ اگر ہم کانگریس کے مطالبات کو مان لیں تو یہ تمہارے لئے خطرے اور قربانیوں کا باعث بن جائے گا! لیکن مسلمان کہتے ہیں "ہمیں آپ کی محبت کا یقین نہیں ہے۔" ہم جانتے ہیں کہ یہ بالکل ان کے برحال ہے۔ وہ صورت حال سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ کیونکہ اگر ہندو مسلم مصالحت ہو جائے تو وہ اس کے لازمی انجام سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ انھیں اقتدار سے دست بردار ہو جانا پڑے گا۔ وہ کہتے ہیں کہ انھیں تو اپنے اقتدار سے دست بردار ہونے کی بے حد خواہش ہے لیکن ہم لوگ ہی باہمی سمجھوتے پر تیار نہیں ہوتے۔ اگر ہم متحدہ ہندوستان کی حیثیت سے اقتدار برقرار نہیں رکھ سکتے تو پھر ہمیں منقسم ہندوستان میں اپنی طاقت قائم رکھنے دو۔

ہندو کا انصاف خواتین و حضرات! مجھے کہنے دیجیئے، اور اگر میری آواز ہندو عوام تک پہنچ سکتی ہے تو میں انھیں بھی کہتا ہوں کہ وہ غور کریں آیا میں غلطی پر ہوں یا راستی پر۔ میں تو نہایت بے تکلفی سے صاف صاف

کہہ دوں گا۔ تقریباً سو برس سے اس ملک میں برطانوی حکمتِ عملی کی بنیاد اسی تصوّر پر ہے کہ ہندو مسلم اتحاد ناممکن ہے۔ اگر وہ کسی نہ کسی وجہ سے ان کے دباؤ اور اثر سے سمجھوتہ کر بھی لیں تو یہ متحدہ ہندوستان بالکل ایسی چھتری ہو گی جس کے نیچے فساد اور خانہ جنگی کا دنگل اور جس کے اوپر انگریز کے سوا کچھ بھی نہ ہو گا۔ اس لئے عاقبت اندیش اور فریبی انگریزوں نے ہمیں ایک متحدہ ہندوستان کے خطوط پر چلانے کی حکمتِ عملی اختیار کی ——— میں نہیں سمجھتا کہ ابھی انھوں نے چھوڑ دی ——— متحدہ ہندوستان اور جمہوری پارلیمانی طرزِ حکومت کی حکمتِ عملی ——— انگریز واقف ہیں کہ اگر ہمیں اسی راہ پر چلایا جائے اور ایک متحدہ جمہوری ہندوستان کے دستور کی تشکیل کی اجازت دیدی جائے تو ہم ان کے ثالثی فیصلے کے بغیر کسی سمجھوتے پر نہیں پہنچیں گے۔ ان کی برتری اور اقتدار کا انحصار ہماری خانہ جنگی اور فساد کے دنگل پر ہے۔ جب ہم لڑ مریں گے، ایک دوسرے کے سر توڑ دیں گے تب کہیں بندر دونوں بلیوں کا فیصلہ کرنے آئے گا۔ یہی وجہ ہے کہ کٹر برطانوی مکتبِ خیال کے لوگ جو آج ہندوستانی حکومت کے صدر ہیں ——— لارڈ لنلتھگو اور مسٹر ایمری جیسے بڑے لوگ ——— جو انتہائی عصبیت رکھتے ہیں۔ ابھی تک یہ لوگ خچر کے سامنے دو گاجریں ہلاتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ جغرافیائی اعتبار سے ہندوستان ایک ہے۔ لندن کے ایک دوسرے بڑے آدمی نے یکایک یہ تحقیق کرلی کہ اکبر کے زمانے میں ہندوستان ایک تاریخی وحدت تھا۔

واہ آزادی عزیزو! ہندوؤں سے مجھے کوئی بیر نہیں ہے میں صرف

آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ کیا آپ کسی معجزے کے ذریعہ جمہور ہندوستان کے متحدہ دستور کی کھاڑی پار کرنا چاہتے ہیں۔ برطانوی ہند کی حد تک تو خیر ہم ایسا کر سکتے ہیں۔ لیکن انگریز جانتے ہیں کہ ہمیں ابھی ایک اور باڑھ اچکنا ہے ——— بہت بڑی فصیل ——— ہندوستانی ریاستیں! آپ کو بہت ساری باڑھیں ملیں گی۔ ایک دو تین اور چار۔ آپ سے ان کھاڑیوں کے پار جانے کو کہا جائے گا۔ اور آخری خلیج پار کرنا تو بہت ہی مشکل ہے، آپ ہر طرح سوچ سکتے ہیں۔ برطانیہ کی گزشتہ سو سالہ حکمت عملی یہی رہی ہے! انھوں نے کسی نہ کسی طرح آپ کو نہ صرف نصب العین سے دور ہٹا دیا۔ بلکہ ایک دوسری راہ پر ڈال دیا۔ اب آپ زیادہ عرصہ فریب مت کھانا۔ تقریباً ایک صدی کی بات ہے، میں ہندوؤں سے کہتا ہوں ——— انگریز اسے خوب جانتے ہیں ——— ہندو مسلم عوام کی آزادی کا قریب ترین راستہ پاکستان ہے، میری زندگی میں یہ وقت آئے گا یا نہیں کون جانے لیکن آپ میرے الفاظ یاد کریں گے۔ میں کسی تعصب اور مدافعت کی غرض سے نہیں کہہ رہا ہوں، بعض اقوام نے ایک دوسرے کے ہزاروں اور لاکھوں افراد کو قتل کر دیا۔ یہ کوئی مستقل صورت نہیں ہے۔ آج کے دشمن کل دوست بن جاتے ہیں۔ یہی زندگی ہے، یہی تاریخ ہے!

میں یہ سب کچھ نہایت صاف دل سے کہہ رہا ہوں۔ مجھے بے انتہا ملال ہے کہ ہندو زعماء اور کانگریس ہندو اور مسلمان دونوں کی آزادی میں حائل ہو رہی ہے۔ ہمارا ضمیر نہایت پاک ہے۔ میں ہندو لیڈروں، ہندو عوام سے ان کی اپنی حکمت عملی پر نظر ثانی اور غور و فکر کے لئے اپیل کرتا ہوں۔

بے حد غلط پروپیگنڈا اور مذموم پروپیگنڈا کانگریس ہی کے دم سے جاری ہے۔
موجودہ صورت میں تو کمیونسٹ پارٹی کی وجہ سے یہ سب کچھ ہو رہا ہے انھوں نے جتنے اعلانات اور بیانات شائع کئے ہیں۔ وہ سب بنیادی طور پر غلط ہیں، کانگریس کا موقف یہ رہا ہے کہ اس نے ۸۔ اگست سے مطالبہ پاکستان اور اس کی حکمت عملی کو لغو اور غلط کہنا شروع کیا۔ وائسرائے سے مراسلت کے وقت مسٹر گاندھی یہ نکتہ بیان کرنا بھول گئے تھے۔ انھوں نے نہایت جلی حروف میں لکھا ہے "حکومت اس میں حقیقت کو بھول گئی اور نظر انداز کر دیا کہ ۸۔ اگست کی قرارداد میں کانگریس نے اپنے لئے کوئی مطالبہ نہیں کیا۔ بلکہ اس کے تمام مطالبات سب کے لئے تھے۔ کانگریس بالکل تیار اور رضامند تھی کہ حکومت قائداعظم جناح کو ایک ایسی قومی حکومت کی تشکیل کے لئے بلائے جو دورانِ جنگ کے لئے ضروری ہو گی اور جو ایک منتخبہ اسمبلی کو جوابدہ ہو گی۔"

میری غلطی؟ یہ ہے مسٹر گاندھی کی زبان، اس تجویز کا لب لباب ایک ایسی حکومت کا قیام ہے جو ایک منتخبہ مجلس پر منحصر ہو گی۔ میں پوچھتا ہوں اگر یہ ہو جائے تو باقی کیا رہ جائے گا؟ کوئی شبہ باقی رہتا ہے کہ لارڈ ولنگڈن صرف ایک دستوری گورنر جنرل بن کر رہ جائیں گے یا پھر انھیں ٹھوکر لگا دی جائے گی۔ دفتر ہند ختم ہو جائے گا، وزیر ہند کا عہدہ برخواست ہو جائیگا اور برطانوی پارلیمان بے آواز رہ جائے گی۔ یہ مرکزی دستور صرف اسی صورت میں روبہ عمل لایا جا سکتا ہے جبکہ موجودہ دستور کو منسوخ کر کے اس کے بجائے کوئی اور جاری کر دیا جائے۔ اگر میں غلطی پر ہوں تو پھر

طرح اپنی غلطی کو درست کرنے کے لئے تیار رہوں۔ ایک بار موجودہ مرکزی بنیاد ختم ہو جائے تو صوبہ واری خاکہ باقی نہیں رہ سکتا۔ صوبوں کا کیا ہوگا؟ بس وہ گورنر کے زیر اثر رہیں گے؟ کیا وہ موجودہ دستور کے تحت ہوں گے؟ اس لئے پورے موجودہ دستور کو بالکلیہ منسوخ کر کے اور اس کی صورت بدل کر نہ صرف ہندوستان بلکہ دیسی ریاستوں کے لئے بھی ایک بالکل نیا دستور تشکیل دینا ہوگا۔ ہم سے پوچھا جاتا ہے۔ اس میں کیا غلطی ہے؟ صرف پاکستان ہی کا تو الٹوا ہوگا۔ جواب صرف اسی قدر دیا جا سکتا ہے کہ جب آپ اس عمارت کو گاندھی تجاویز کی بنیادوں پر کھڑا کر دیں گے تو گویا پاکستان خود ہماری مرضی و منشا سے تباہ کر دیا جائے گا! اور گاندھی کے مجوزہ اصول پر جو دستور تشکیل پائے گا وہ تلخ ترین مباحث کی صورت اختیار کر لے گا۔ اس طرح کانگریس کا موقف تو بالکل وہی رہے گا جو پہلے تھا۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ انداز بیان مختلف ہے۔ لیکن اس کا مطلب ہندو راج اور اکھنڈ ہندوستان ہی ہے ——— ایسا موقف جسے ہم کبھی قبول نہیں کر سکتے۔

ڈھاک کے پات۔ اگر مسٹر گاندھی آج بھی پاکستان کی بنیادوں پر لیگ سے مفاہمت کے لئے تیار ہیں۔ تو مجھ سے زیادہ کوئی اور ان کا خیر مقدم نہیں کر سکتا۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ یہ دن ہندو اور مسلمان دونوں کے لئے بہت مبارک، مسعود اور ناقابل فراموش دن ہوگا۔ اگر انھوں نے کوئی ارادہ کر لیا ہے تو پھر مجھ سے راست مراسلت کر لینے سے کونسی چیز انھیں روکتی ہے؟ وائسرائے کو تو وہ خطوط لکھ رہے ہیں۔ کیوں بالراست مجھے نہیں لکھتے؟

وہاں کون ایسا ہے جو اس سے روک رہا ہے؟ وائسرائے سے مراسلت کرنے، ان سے استدعا کرنے اور وفد بھیجنے سے کیا حاصل؟ آج کون چیز مسٹر گاندھی کو روک رہی ہے؟ میں ایک لمحہ کے لئے بھی یقین نہیں کرتا۔ تم حکومت کے خلاف جو چاہے کہہ لو ـــــــ کہ مجھ سے مراسلت کی جائے تو حکومت روک دے گی۔

اگر واقعی حکومت کوئی ایسا اقدام کرے تو مجھ سے زیادہ سخت کوئی نہ ہوگا لیکن میں مسٹر گاندھی، کانگریس اور ہندو لیڈروں کی حکمتِ عملی میں ذرا بھر بھی تبدیلی نہیں پاتا ـــــــ وہی ڈھاک کے تین پات!

مجھ سے کہا گیا تھا کہ ہم کچھ کریں گے۔ جہاں تک مجھے علم ہے کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ ہمیں کیا کرنا ہے؟ جب مجھے غیر فرقہ واری کانفرنس میں مدعو کیا گیا تو میں نے راج گوپال اچاریہ سے کہدیا تھا کہ میں اس میں شریک نہیں ہو سکتا۔ اس کا سبب بھی بتا دیا تھا۔ میں ان پر کوئی حملہ نہیں کرنا چاہتا میں غیر ضروری تلخی بھی پیدا کرنا نہیں چاہتا، ہم جانتے ہیں کہ وہ کسی کی پیروی نہیں کرنا چاہتے ـــــــ لیکن زندگی میں ان کا کوئی مقام ہے، انھیں تجربہ ہے ـــــــ ہو سکتا ہے کہ وہ ہمارے سیاسی حریف ہوں ایک دفعہ وہ بالکل پہلی صف میں تھے۔ ملک کی سیاسی تحریک کے ہراول ـــــــ اس گتھی کے سلجھانے میں تو وہ اپنی منظورہ قرارداد اور حکمتِ عملی سے زیادہ اچھا طریقہ کار اختیار کر سکتے تھے۔ لیکن بڑے لوگ غلطی بھی کرتے ہیں، مسٹر گاندھی تک سارے واقعات پہنچ جاتے ہیں۔ وہ اخبارات پڑھتے ہیں، وہ جانتے اور سمجھتے ہیں کہ کیا ہو رہا ہے؟ اگر دل میں تھوڑی سی بھی

تبدیلی ہوئی ہے تو چند سطریں لکھ دینی چاہیئے۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ مسلم لیگ کبھی ناکام نہیں رہے گی، گزشت انچہ گزشت!

فرنگی افسوں۔ اب میں انگریزوں کے بارے میں کہوں گا۔ فولادی چنے چبانا مشکل ہے؟ ان کا موقف یہ ہے کہ کانگریس ایک باغی ادارہ ہے غدّار اور مکّار، حکومت اور تاج کا دشمن ہے، اس لئے ان سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ وہ صرف ایک جماعت ہے، لیکن ہندوستان کی غالب اکثریت اس کے ساتھ نہیں ہے۔ بلکہ حکومت برطانیہ کی طرفدار ہے۔ وزیر اعظم نے اپنے حالیہ بیانات میں کیا کہا؟ لندن کے اخبارات کیا کہتے ہیں؟ سنڈے کرانیکل" لکھتا ہے۔ "وزیراعظم مسٹر چرچل نے ہندوستانی سپاہیوں کی جرأت و بہادری کی جو تعریف کی ہے، وہ انگریزی قوم کے سینوں میں گونجتی رہے گی۔" کہاں ہے وہ گونج؟ مسٹر چرچل نے صرف کاغذی اعداد و شمار جمع کئے اور کہہ دیا کہ ہندوستان کی اکثریت کانگریس کے ساتھ نہیں ہے، جہاں تک مسلم لیگ کا تعلق ہے۔ واقعی ہم الگ رہے خدا کا شکر ہے کہ ہم علیحدہ رہے۔ کیونکہ ہم کنویں اور خندق کے درمیان ہاں، میں نے پہلے بھی کہا ہے کہ میں برطانیہ کے اس قول سے مطمئن نہیں ہوں کہ وہ ہماری خاطر کانگریس سے لڑ رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ وہ اپنی قوت اور اقتدار سے دست بردار ہونے پر آمادہ اور رضامند ہیں جب کانگریس نے ایک غیر فانی اعلان کر دیا کہ برطانیہ دوسروں سے کیا کہتا ہے۔ تو وائسرائے نے ہفتہ گذشتہ میں اس قسم کی تشریح کی۔" ہم کیونکر کانگریس کو نظرانداز کر سکتے ہیں؟ ایسی صورت میں کیا تم یہ نہیں سمجھ سکتے کہ

تم پر کوئی شخص بھروسہ نہیں کرتا، لیکن خود تمہاری خواہش، دلی تمنا اور آرزو عارضی طور پر دست برداری کی ہے، جو ایک باغی ادارہ —— کانگریس کی شاندار کامیابی ہے، یہ ان کا اپنا اعتراف شکست ہے۔ واقعی ہندوستانی عوام کانگریس کے ساتھ ہیں یا نہیں ہیں، اگر اکثریت نہیں ہے —— جیسا کہ اکثر دس کروڑ مسلمان نہیں ہیں —— تو پھر باقی ہندوستان کو کیا جواب ہے، وہ کہتے ہیں:-

"ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اس باغی ادارے نے تمہیں بے دست و پا کر دیا ہے۔ ہم صرف آپ کی خدمات کو مستحسن نگاہوں سے دیکھ سکتے ہیں جب کہ آپ میدان جنگ میں دم توڑ دیتے ہیں۔" کیا یہی دیانت دارانہ برتاؤ ہے؟

کیا اس سلوک کے بعد منتقلی اقتدار اور دست برداری کی توقع ہو سکتی ہے؟ ہم نے ان گنت مرتبہ واضح کر دیا لیکن ہم نظر انداز کر دیئے گئے۔ ہماری جماعت سے پیٹھ پھیر لی گئی، کیونکہ ہم ان کے موافق ہیں، برخلاف اس کے ہم انصرام جنگ کے تعاون میں مجبور نہیں ہیں۔ اور بسا اوقات اس حکومت نے تمہیں ڈرایا ہے کہ جو ہمارے ساتھ نہیں ہیں وہ ہمارے دشمن ہیں۔ لیکن اب میں کہتا ہوں کہ جہاں تک مسلم ہندوستان کا تعلق ہے اور جہاں تک ہمارا معاملہ ہے۔ مسلمانوں کا تعلق ہے، ہماری تلخیوں کا پیالہ چھلکنے کو ہے۔

اگر ان کے لائق اور دیانت دار ایجنٹ ہیں تو انھیں لندن میں باخبر رہنا چاہیئے۔ میں نے ایک سے زیادہ مرتبہ حکومت برطانیہ کو اس

خصوص میں توجہ دلائی ہے۔ واقعی صورتِ حال نازک ہے۔ میں اس پلیٹ فارم سے انھیں متنبہ کرتا ہوں کہ تلخیوں کا جام، مایوسی —— پر زور الفاظ کی ضرورت نہیں —— اور مسلم ہندوستان کے بارے میں ان کے قدموں کا ڈگمگانا بہت خطرناک ہے، اب یہ تماشا جاری نہیں رہ سکتا اپنی حالت اور حیثیت پر مکرر غور کرو۔ ہمارا مطالبہ کیا ہے؟ اعلان کر دو! انصرام جنگ مسلم لیگ، حکومت برطانیہ کو مزید کسی توقف کیے آگے بڑھ کر مسلمانوں کے حق خود ارادیت کے واضح اعلان اور ۱۹۴۰ء کی منظورہ قرارداد کے مطابق بہت عہد و پیمان کے فیصلے کی دعوت دیتی ہے۔ مسلم لیگ ہمیشہ تیار رہی۔ آج بھی تیار ہے اور مساوی بنیاد پر مرکز میں صوبہ واری حکومت کی تشکیل کا ہر تجویز پر ہر جماعت کے ساتھ غور کرنے پر رضامند ہے تاکہ ہندوستان کی مدافعت اور مساعی جنگ جاری رکھنے میں ملک کے پورے پورے ذرائع سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔ یہ قرارداد ۲۰۔ اگست ۱۹۴۲ء کو بمبئی میں منظور ہوئی تھی۔ یہ بھی پوری طرح نظرانداز کر دی گئی۔ اس جنگ میں تو ہمیں تماشائیوں کی حیثیت دے دی گئی ہے۔ میں نے ایک بار کہا اور اب میں اس موقع پر مزید کہتا ہوں کہ ہمارے نظریئے اور رائے جو بھی ہوں، لیکن حقیقت کا بطلان ممکن نہیں —— ہندوستان جنگ میں شریک ہے۔ جنگ میں شامل ہونے سے کس کا مفاد بڑھ گیا؟ انگریزوں کا زیادہ مفاد ہے یا متحدہ امریکہ کا مفاد زیادہ ہے، یا خود ہمارا اپنا فائدہ ہے کہ ہمیں اس طرح صرف تماشائیوں کی طرح چھوڑ دیا جائے۔ ایک فیصلہ سے دوسرے پر ٹال دیا جائے۔ ایک تجویز سے دوسری اختیار کی جائے۔ ایک بہانے سے

دوسرے کا سہارا لینا گویا ان ۰ اگر وہ ڈر کو ان کے تعاون کے بغیر ہی تو رہنا ہے؟ وہ ایک زبردست غلطی کر رہے ہیں؟ ابھی تک ان کی آنکھوں سے پردہ نہیں ہٹا۔ میں نے اکثر کہا اور آج بھی کہنے کی اجازت دیجیے کہ اگر ہمارے امریکن دوست ہار جائیں تو وہ امریکہ اور شکاگو جا سکتے ہیں اور انگریز لندن کا رُخ کر سکتے ہیں۔ مزید یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ان کے ملک میں ہٹلر، مسولینی اور میکاڈو کی حکومت بھی قائم نہیں ہو سکتی، میری فکر تو یہی سمجھاتی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ جنگ کے بعد امریکہ دوسرے درجے کی قوت بن جائے۔ یہی تو خطرہ ہے۔ لیکن یہ خطرہ بڑھ کر کبھی یہ صورت تو اختیار نہیں کرتا کہ ان کے ملک پر کوئی بیرونی طاقت واقتدار راج کر سکتی ہے۔ میرا موقف کیا ہے؟ اگر اس جنگ میں شکست ہو گئی۔ تو پھر کوئی طاقت نہ رہے گی جاپان یا پھر ہٹلر اس ملک پر قابض ہو جائے گا۔ اور ہم سب ہٹلر یا ٹوجو کے بھاری جوتوں کی ایڑیوں تلے کچلے جائیں گے۔ میرے لئے تو کوئی لندن ہے اور نہ ہی امریکہ؟ ہمارا انجام کیا ہو گا؟ اس ملک کے بچاؤ اور انصرام جنگ میں کون زیادہ دلچسپی لے رہا ہے —— یہ کوئی جذباتی بات نہیں ہے —— میں کہتا ہوں ہم سے زیادہ تو کوئی نہیں ہے۔ مشرق اور مغرب کے منطقوں میں جو دشمن کے فوری نشانے بن سکتے ہیں ہم ہی سب سے زیادہ خطرے میں رہیں گے۔ جنگ کی تباہ کاریاں برداشت کرنی پڑیں گی۔ ہمارے گھر بار اجڑ جائیں گے، بال بچے بے سہارا ہو جائینگے ہم سے زیادہ کس کا نقصان ہو گا۔ ہم سے زیادہ کون تکلیفیں سہے گا؟ ہندوستان کی مدافعت میں کون زیادہ حصہ لے رہا ہے؟ انگریزوں کا یہ

کہنا صریح بددیانتی ہے کہ ہم تعاون نہیں کر رہے ہیں، اور یہ کہنا بے ایمانی ہے کہ ہم عدم تعاون پر کاربند ہیں، مسلم لیگ کہتی ہے "ہم تعاون نہیں کر سکتے کیونکہ تم ہمیں صرف حلقہ بگوش بنانا چاہتے ہو۔ ہمارے لئے کیا توقعات ہیں؟ جیت ہمارے لئے کیا پیغام لائے گی۔ ہمیں اپنے روپے اور اپنے خون کا پھل کیا مل سکتا ہے؟ اگر ہمیں شکست ہو جائے، تو جاپان یا جرمنی در آئے گا، اگر ہم فتح پالیں تو ہم صرف حلقہ بگوش کہلائیں گے۔ اور ممکن ہے آخر میں کچھ "بخشش" مل جائے، کیا یہ چیزیں تعاون کی محرک ہو سکتی ہیں؟ کوئی ذی عزت، خوددار اور منظم قوم اس حیثیت کو قبول نہیں کر سکتی۔" یہ ہے اصل تصویر۔ اس لئے یا تو انھوں نے غلطی کی یا پھر غلطی کر رہے ہیں، یا درحقیقت وہ اقتدار سے دست برداری نہیں چاہتے۔ وہ تو سب جواری کی طرح موقع کی بات کرتے ہیں۔ اپنے آپ سے کہتے ہیں۔ "اگر ہم جیت جائیں تو انھیں حسب حال باقی رکھیں گے۔ اور اگر شکست ہو جائے تو ہمارے بعد طوفان اور غرقابی!

انگریز اور پاکستان۔ پاکستان کے بارے میں کچھ اور کہنا ضروری چاہتا۔ پاکستان کو سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہے حتیٰ کہ باہر والوں نے بھی اسے سمجھ لیا ہے میجر ایٹس برون (YEATS BROWN) اپنی نئی کتاب میں لکھتا ہے۔ "ہم مسلمانوں کی جگہ ہوتے۔" اس کی کتاب سے ہم کچھ اقتباس پیش کرتے ہیں:۔

"فرض کرو ہمارا موقف مسلمانوں کی طرح ہوتا۔ اور اگر کوئی عالمگیر فوق البشر قوت یا اقتدار اعلیٰ ہمیں مجبور کرتا۔ یا اقتدار جوٹین قوم ایک کل یورپ

حیثیت سے ہم پر حکومت کرے گی، تو ہم انگریز اپنے آپ کو مظلوم تصور کرتے ــــــ کیونکہ یورپ میں ہماری اقلیت ہے۔"

وہ مزید کہتا ہے۔ "اگر چہ یہ اعلیٰ حکومت کسی مطلق العنان طاقت اور ذی عقل فوق البشر کی ہوتی، پھر بھی ہم اس وقت تک محکوم رہتے جبتک کہ ہمارے اندر ان بندھنوں کو توڑنے کی قوت نہ پیدا ہو جاتی۔ اگر یہ فوق البشر طاقت ہمارے ساتھ فیصلوں میں ناانصافی کرے تو بھی وہ دنیا کو یہی باور کرائے گی کہ اس نے تمام یورپ کو آزادی دے رکھی ہے۔ ایسی صورت میں ہمارے لئے اس مشکل کا حل ناگزیر ہو جاتا۔ اور ہم وہی جواب دیتے جو آج مسلم لیگ کہتی ہے، یعنی، ایسی آزادی لغو ہے۔"

کیا میں اس قدر اضافہ کر سکتا ہوں کہ "فوق البشر" مسٹر گاندھی بالکلیہ اکھنڈ ہندوستان چاہتے ہیں اور مسلم ہندوستان اس مطالبہ سے متفق ہو سکتا ہے اور نہ ہوگا، انگریز کیا کہیں گے؟ کیا وہ یہی کہیں گے۔ "چھوٹی قومیں زندہ نہیں رہ سکتیں، ہم خود ایک چھوٹے سے جزیرے میں رہتے ہیں صرف ۳½ کروڑ انسان ہیں، سب [illegible] برادری کے ہیں، جو میں [illegible] "اگر ان کے [illegible] ایک حکومت کا منصوبہ پیش کیا جائے تو وہ رضامند ہو جائینگے؟" ایک انگریز اور جرمن میں کیا فرق ہے؟ نسلی اعتبار سے تمام اینگلو سیکسن ہیں اور سب عیسائی ہیں، ان کا مذہب مختلف نہیں ہے، ان کی تقویم جدا نہیں ہے، ان کی زبان، قانون اور تہذیب و معاشرت میں بھی قابل اعتنا فرق نہیں ہے۔ ان کا فن تعمیر، فن لطیفہ، موسیقی، ثقافت بھی مختلف نہیں ہے۔ لیکن ایک انگریز کیا کہے گا؟ کینیڈا کیا کہے گا؟ اگر کل کوئی ایسی تجویز

ہو جائے کہ ممالک متحدہ ایک وفاقی حکومت ہو گی اور کینیڈا کو ایک واحدہ کی حیثیت سے اس میں شریک رہنا ہو گا تو وہ کیا کہے گا؟ اور پھر شمالی اور جنوبی امریکہ ـــــ کیا ہو گا؟ امریکہ تو ایک جغرافی وحدت ہے، یورپ کا یہی حال ہے، ایشیا بھی ایسا ہی ہے۔ وہ کیا کہتے ہوتے۔ اگر کوئی ایسا منصوبہ پیش کیا جاتا؟ اس لئے میجر ایٹس بروِن بالکل سچ کہتا ہے۔ فرض کرو ہم مسلمانوں کی جگہ ہوتے"۔ اگرچہ کہ حکومت کسی مطلق العنان اور ذی عقل فوق البشر کی ہوتی۔ تو بھی ہم اسی وقت تک مطیع رہتے تاوقتیکہ ہم میں ان بندشوں کو توڑنے کی طاقت نہ پیدا ہو جاتی، بہرحال مسلم لیگ ایسی ہر آزادی کو لغو سمجھتی ہے۔

مشورۂ ملت۔ ہندو لیڈروں کو اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ وہ اپنے تصور کے مطابق ہمیں آزادی دینا چاہتے ہیں، ایسی آزادی جہاں ان کے ارادوں کی حکمرانی ہو گی، ان کی اپنی حکومت واقتدار والی آزادی جو بالکل خرافات ہے۔ اس کے سمجھنے میں کوئی دقت نہیں ہے۔ سب سے پہلے تو ہمیں بنیاد مضبوط کرنی چاہیئے۔ کیا تم ہیجان وانتشار پیدا کر کے پروپیگنڈے کے لئے کچھ مواد حاصل کرنا چاہتے ہو؟ مجھے کامل یقین ہے کہ ہماری اکثریت پاکستان کو ایک عوامی حکومت تصور کرتی ہے۔ چاہے آپ اسے قوت سے حاصل کریں یا مفاہمت سے۔ لیکن اس کے حصول تک خواہ وہ کسی بیرونی طاقت سے یا پھر اپنی ہی ملکی حکومت سے ہو، اس ہیئت، دستور اور طرزِ حکومت کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا! انقلاب فرانس ہی کو لیجئے، جو جماعت حکومت کو ڈھانا چاہتی تھی اس نے ملک پر قبضہ

کرنے کے بعد اپنی مجلس دستور ساز ترتیب دی، اسٹریلیا پر غور کیجئے، یہ تو مفاہمت سے طے ہوا۔ پہلے تو ہمیں دو ہندوستان کا وجود مان لینا چاہیئے اس کے بعد مجلس دستور ساز منتخب ہوگی اور وہ اس طرح کہ عوام مجلس دستور ساز کے نمائندوں کا انتخاب کریں گے! اس لئے میں ایسی مجلس دستور ساز تشکیل دیتا ہوں جو اقل ترین رائے پر ترتیب دی جائے۔ یا پھر پاکستان میں بالغ رائے دہی ہو سکتی ہے۔ مجلس دستور ساز کے لئے آپ خود اپنے نمائندوں کا انتخاب کریں گے، آپ اپنی طاقت سے ناواقف رہے۔ اس کا صحیح استعمال نہ سمجھ سکے تو یہ آپ کا قصور ہو گا، لیکن مجھے یقین ہے کہ جمہوریت ہمارے خون میں رس بس گئی ہے، یہ ہمارا خمیر ہے، صرف صدیوں کے نامساعد حالات نے ہمارا خون سرد کر دیا ہے۔ یہ منجمد ہو گیا اور آپ کی شریانیں ماند پڑ گئی تھیں، لیکن شکر ہے کہ اب پھر خون جوش کھا رہا ہے ہم مسلم لیگ کی مساعی کے مشکور ہیں۔ یہ عوامی حکومت ہوگی۔ ملت کی حکومت۔

اب میں ان زمینداروں جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کو متنبہ کرنا چاہتا ہوں، جنھوں نے ایک گھناؤنے نظام کے سہارے ہم سے ناجائز منفعت حاصل کی۔ یہ نظام نہایت ذلیل اور گندہ ہے۔ اس نے انھیں اتنا خود غرض بنا دیا ہے کہ ان سے کسی قسم کا استدلال ممکن نہیں ہے۔ عوام سے ناجائز منفعت ان کے گوشت و خون میں رچ گئی۔ وہ اسلامی تعلیمات بھول گئے۔ حرص و آز اور خود غرضی نے انھیں دوسروں کے قدم چومنے پر مجبور کر دیا۔ سچ ہے کہ آج ہماری قوت نہیں ہے۔ آپ ملک کے اندر کسی دیہات اور قصبے میں چلے جائیے، میں چند دیہاتوں کو

دیکھ آیا ہوں۔ یہاں ہماری قوم کے لاکھوں افراد کو دن بھر میں بمشکل ایک وقت روٹی میسر آتی ہے۔ یہی تہذیب و تمدن ہے؟ کیا یہی پاکستان کا منشا ہے؟ کیا آپ ایسا ہی نظام چاہتے ہیں جہاں لاکھوں انسان محروم کر دیئے جائیں اور انھیں ایک وقت کا کھانا بھی نہ ملے؟ اگر یہی پاکستان کا مقصد ہے تو پھر مجھے یہ نہیں چاہیئے۔ اگر واقعی یہ ذی فہم اور عاقبت اندیش ہیں تو انھیں فوراً اقتضائے زمانہ اور زندگی کی بدلتی ہوئی قدروں سے ہم آہنگی پیدا کر لینی چاہیئے! اگر وہ نہ مانیں تو خدا انھیں سمجھے، ہم ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ اس لئے ہمیں خود ایقان پیدا کرنا چاہیئے۔ ثابت قدمی اور عزم راسخ ہی ہمارا نصب العین ہے اور ہم اسے حاصل کر کے ہی رہیں گے۔ دستور پاکستان صرف ملت ہی کی تشکیل دے سکتی ہے، پہلے اپنے آپ کو تیار کر لو، پھر آپ خود ایسا دستور مرتب کریں گے جو آپ کے دل کی آواز ہوں گا۔ یوں تو ہزاروں غلط فہمیاں ہیں، بے انتہا فتنہ پردازیاں جنم لے رہی ہیں۔ کیا اسلامی حکومت تعمیر ہو رہی ہے؟ کیا یہ دعویٰ بمنزلہ ثبوت نہیں ہے؟ کیا یہ سوال خود تمہارے اپنے آپ پر اظہار ملامت نہیں ہے؟ دستور اور حکومت وہی ہو گی جو ملت فیصلہ کرے گی۔ سوال صرف اقلیتوں کا ہے۔

مطالبۂ اقلیت۔ اقلیتیں واضح تیقنات کے لئے مصر ہیں کہتی ہیں "آپ کے مجوزہ پاکستان میں ہمارا مقام کیا ہو گا؟" یہ اقلیتوں کی قطعی اور واضح ضمانت کا ایک مطالبہ ہے۔ ہم نے اسے پورا کر دیا ہے۔ ہم نے ایک قرارداد منظور کی ہے کہ اقلیتوں کی پوری پوری حفاظت کی جائے گی۔ اور انھیں تحفظات دیئے جائیں گے اور جیسا کہ میں نے پہلے کہا ہے۔ ہر متمدن

حکومت یہی کرے گی اور اسے کرنا ہی چاہیئے۔ ہماری حد تک تو ہمارے پیغمبر صلعم اور ہماری تاریخ نے صاف صاف ثبوت دیدیا ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ نہ صرف انصاف و رواداری کا برتاؤ کیا گیا۔ بلکہ کریم النفسی اور عالی ظرفی کی عدیم النظیر مثال پیش کی گئی۔

حقیقتِ پاکستان۔ ایک اور بات پاکستان سے متعلق ہے، ایک نیا فتنہ پیدا ہو گیا ہے۔ یوں تو بہت سارے مذموم پروپیگنڈے ہوئے ہیں۔ مثلاً یہی کہ ہم گئو ماتا کے ٹکڑے کر رہے ہیں "مادرِ وطن کی چیر پھاڑ" اور اسی قبیل کی بہت سی غلط بیانیاں پھیل گئیں۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ حالیہ استدلال تو بہت ہی گھناونا ہے۔ دلیل یہ ہے کہ مسٹر جناح شمال مغربی اور مشرقی منطقوں میں ایک علیحدہ پاک مملکت قائم کر کے باقی تمام کو ناپاک قرار دینا چاہتے ہیں، میں نے مختلف گوشوں سے یہ سنا اور مجھے حیرت و تعجب کا زبردست دھکا لگا۔ جھوٹے پروپیگنڈے کا اثر آپ جانتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اسے برداشت کر لیں گے اگر تھوڑی دیر کے لئے میں یہ کہوں کہ جب ہم نے قراردادِ لاہور منظور کی تو ہم نے "پاکستان" کا لفظ استعمال نہیں کیا تھا۔ کس نے دیا ہمیں یہ لفظ؟ (آوازیں۔ ہندو، ہندو) ہاں۔ انھیں کا قصور ہے۔ انھوں نے پاکستان کی بنیاد پر ہی تو ہماری قرارداد کی مذمت کی دراصل وہ مسلم تحریک سے ناواقفِ محض ہیں۔ انھوں نے یہ لفظ ہمارے سر تھوپا۔ انھوں نے پان اسلام ازم کے نعرے لگائے اور جب یہ رد کر دی گئی تو پھر شور مچایا کہ "پاکستان" کا مطلب دیگر اسلامی ممالک افغانستان ایران، ترکی اور عرب کا اتحاد ہے —— اور یہ سب مل کر ہندوستان کو

پیس ڈالیں گے! ایسی گہری چال تو وہ چل رہے ہیں، آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ پاکستان دراصل ایسا لفظ ہے جو ہم پر عائد کیا گیا۔ ہندو صحافت اور برطانی صحافت کے بعض حلقوں نے اسے ہمارے سر منڈھ دیا۔ ایک عرصے تک ہماری قرارداد کو قرارداد لاہور کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ جو عام طور پر پاکستان کے نام سے مشہور ہو گئی لیکن اب ہم کب تک اس بوجھ کو اٹھائیں؟ میں اپنے ہندو اور انگریز دوستوں کا مشکور ہوں کہ انھوں نے ہمیں ایک لفظ دیا۔

لفظ "پاکستان" کی حقیقت کیا ہے؟ اسے نہ تو مسلم لیگ نے جنم دیا۔ اور نہ ہی قائداعظم نے گھڑ لیا۔ لندن کے بعض نوجوانوں نے جو شمالی مغرب کے ایک مخصوص حصے کو باقی تمام ہندوستان سے علیحدہ کرنا چاہتے تھے ۱۹۲۹-۳۰ء میں اس اصطلاح کو ایجاد کیا اور ایک منطقے کو پاکستان کا نام دیدیا۔ لفظ "پ" کو انھوں نے پنجاب کے مترادف قرار دیا، "الف" سے افغانستان مراد لی اور "ک" سے کشمیر تعبیر کیا۔ "س" سے سندھ مفہوم لیا۔ اور "تان" کو بلوچستان کے مماثل قرار دیا، ایک نام وضع ہو گیا، اس وقت اس لفظ کے جو بھی معنی ہوں۔ لیکن یہ مسلم ہے کہ ہر مذہب اور متمدن قوم اور ترقی یافتہ زبان نیا لفظ اختراع کرتی ہے۔ اب پاکستان سے قرارداد لاہور مراد لی جا رہی ہے ہمیں ایک لفظ کی ضرورت تھی اور یہ ہم پر مسلط کر دیا گیا اور ہم نے بھی اسے قرارداد لاہور کے متبادل اور مبہم اظہار کے واسطے موزوں پایا۔

وفاق و اتحاد۔ ہم سے بعض دستوری پنڈتوں نے کہا کہ کیوں یہاں وفاقی اور انتخابی حکومت قائم نہیں ہو سکتی۔ لوگ اس طرح بہت کچھ

کہتے ہیں، میں نے اس خصوص میں جو کچھ لکھا ہے، وہ آپ کو سناتا ہوں کیونکہ یہ مسئلہ ذرا اہم ہے:۔

"کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو کسی وفاق کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں، بعض ایسے بھی ہیں جو وفاقی واحدوں کو بہت آزادی دینا چاہتے ہیں لیکن وہ دنیا کے مختلف ممالک کی ساری دستوری تاریخ کو بھول جاتے ہیں۔ وفاق کی جو تشریح کی گئی اور جو شرائط پیش کی گئی ہیں وہ یقیناً تمام وفاقی فریقوں کو بڑے مسائل کے اختیارات سے محروم کر دیں گی۔ اکائیاں بعض رکھیں گی اور انھیں مرکزی اقتدار کے زیادہ سے زیادہ اختیارات قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا حتی کہ خود اکائیوں کی مدد سے ایک مستحکم مرکزی حکومت قائم ہو جائے گی اور انھیں نکال باہر کر دیا جائے گا۔ اگر وفاقی حکومت کی بنیاد کو قبول کر لیا گیا۔ ممالک متحدہ امریکہ اور اس کی تاریخ پر ہی غور کیجیے۔ کینیڈا اور آسٹریلیا کے مقبوضات، جنوبی افریقہ اور جرمنی کے اتحاد اور دیگر ممالک سے جہاں وفاقی اور انتدابی حکومت تھی۔ ضرورت نے مشترک ممبروں کو نکال دیا اور اپنے اختیارات مرکزی حکومت کو سونپ دینے پر مجبور کیا۔

ان غلط تصوّرات کی بنیاد صرف یہی ہے کہ لوگوں میں وفاق کے حقیقی معنیٰ اور اس کے منشاء کو سمجھنے کا فقدان ہے۔ یہ کوئی اہم بات نہیں ہے کہ نظری حیثیت سے مابقی قوت واحدوں کو حاصل رہے گی یا مرکز کو لیکن ایک بار مرکزی وفاقی حکومت کی اساس قبول کر لینے کے بعد آہستہ آہستہ ناگزیر طور پر خالص ضرورت کے تحت وہ خود ایک با اختیار اور مکمل

اقتدار کے ساتھ مرکزی طاقت بن جائے گی اور متحدہ جماعتوں کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ مرکز کے اختیارات کو وسیع اور وسیع تر کرتے جائیں اور پھر یہ خود مسلکہ کٹھ پتلیاں بن کے رہ جائیں گی۔ ایک مرکزی اقتدار کے تحت ان کی حیثیت بس ایک دیہی کونسل، میونسپل بورڈ یا عہدیہ کی سی ہو جائیگی۔

ہم ایسی ہر تجویز کے مخالف ہیں، اور کسی ایسے منصوبے کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں جس کی بنیاد مرکزی حکومت، وفاقی اور عہدیہ کے تصور و تخیل پر ہو کیونکہ ایک طویل مدت کے بعد اس کا لازمی انجام تمام مسلم قوم کی معاشی، معاشرتی، تعلیمی، تمدنی اور سیاسی تباہی اور ہلاکت اور فیلی برا عظم میں صرف ہندو اکثریت کی حکومت ہوگی۔

اس لئے تم اپنے دماغ سے اس طرح کے ہر ناقص وفاق کے تصور کو ہٹا دو۔ اس طرح عہدیہ کی قسم سے کوئی چیز ہے بھی تو نہیں جب وہاں مرکزی اور صوبہ واری حکومتیں قائم ہو جائیں گی۔ تو وہ دیاتی، کچلتی اور بھینچتی رہیں گی حتیٰ کہ آپ کے اختیارات کو خاک میں ملا دیا جائے گا۔

رنگ ونسل حضرات! میں سمجھتا ہوں کہ میں نے بہت سے امور طے کر دیئے اس میں ذرا بھی شبہ نہیں ہے کہ جنوبی افریقہ کی موجودہ فرقہ واری مقننہ نہایت تاریک تر ہے! افسوس تو یہ ہے کہ ایسے نازک وقت میں یہ مسئلہ اٹھایا گیا جب کہ ایک طرف سلطنت کے ہر فریق سے مساعی جنگ میں امداد کے لئے کہا جا رہا ہے۔ ہندوستانیوں کو اپنا خون بہانے کے لئے بہت اچھا سمجھا گیا تھا۔ یہ نہ صرف گوروں کے شانہ بشانہ کھڑے رہنے ہی کے لئے نہیں۔ بلکہ اگر وہ میدان جنگ میں گرتے ہوں تو انھیں اٹھا لینے اور ان کی

جان بچانے کے لئے بھی ہندوستانیوں کو بہت اچھا سمجھا گیا تھا، لیکن دوسری طرف یہ رنگ ونسل کا امتیازی نشان دولت عامہ کے اس رکن کو دیا جا رہا ہے جو اپنے خون سے اعانت کر رہا ہے اور جس کو بہت کچھ سراہا گیا۔

مجھے حیرت ہے کہ وزیرِ ہند سے جب پارلیمان میں پوچھا گیا تو وہ کہہ دیتے کہ وہ کوئی بیان نہیں دیں گے۔ حالانکہ تمام ہندوستان اس قانون کی مذمت کر رہا تھا حتیٰ کہ برطانوی حکومت کی ایجنٹ خود حکومت ہند بھی مخالف تھی، کیا ہم اس سے اپنے داخلی سیاسی مسائل کے بارے میں کوئی سبق حاصل نہیں کر سکتے؟

ہندوستانی ریاستیں۔ ایک اور چیز ہے۔ ایک اور بری خبر مجھے ملی ہے۔ ہندوستانی ریاستوں کی صورت حال ٹھیک نہیں ہے۔ میں صرف ریاست کشمیر، گوالیار اور کوٹاہ کا ذکر کروں گا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بڑی بدقسمتی ہے کہ میں ان ریاستوں سے جہاں ہندو اکثریت ہے اور حکومت بھی ہندو ہے۔ بہترین نمونہ بننے کی اپیل کرتا ہوں۔ اس طرح ان مسلمان حکمرانوں کو بھی جہاں مسلم اکثریت ہے مشورہ دوں گا کہ وہ اپنی اقلیت کے ساتھ انصاف و رواداری سے پیش آئیں اور واجبی شکایات کو مناسب طریقے پر رفع کر دیں۔ ہندوستانی مسئلہ کو سلجھانے کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ جہاں آپ کی اکثریت ہے وہاں آپ اپنے غصے اور انتقام کا تختۂ مشق اقلیت کو بنائیں۔ مسئلہ کا حل تو صرف اسی وقت آسان ہو جاتا ہے جبکہ آپ اقلیتوں کو تحفظات دے دیں۔ مجھے امید ہے کہ کچھ نہ کچھ اطمینان بخش

حل پیدا ہی ہو جائے گا۔ اگر مسلم اکثریت ہندو اقلیت سے نازیبا سلوک کرے تو میں بھی ان کے رنج و غم میں برابر کا شریک رہوں گا۔

آگ اور سمندر۔ آخر میں ایک بات اور ہے۔ میں مسلمانوں سے کہتا ہوں کہ ہم تقریباً سات برس نامساعد حالات کا شکار رہے ہیں اور نشیب و فراز سے گزرتے رہے اور آج مجھے یہ کہتے ہوئے ذرا بھی شبہ نہیں ہوتا کہ ۱۰ کروڑ مسلمان ہمارے ساتھ ہیں، جب میں ۱۰ کروڑ کہتا ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ۹۹ فیصد ہمارے ساتھ ہیں ——— ان کا تو ذکر ہی نہیں جو غدار ہیں، مراقی، فوق البشر اور مخبوط الحواس ہیں، اور یہ ایسی برائی اور عیب ہے کہ جس سے کوئی سماج اور قوم محفوظ نہیں ہے۔ اب میں مسلمانوں کو ایسا ہی دیکھ رہا ہوں جیسے کسی ققنس کی نئی زندگی اور عنقا کا وجود اٹھارھویں صدی کی بھیانک تباہی اور بربادی کے بعد مسلمانوں کی نئی زندگی ایک معجزہ سے کم نہیں ہے۔ وہ لوگ جو سب کچھ کھو چکے تھے۔ واقعات و حالات نے جنھیں چکی کے دو پاٹوں کے درمیان رکھ دیا تھا، اب اس قدر مختصر عرصے میں نہ صرف اپنے مقام پر آ گئے، بلکہ انگریزوں کے بعد اگر جدید ہندوستان میں ٹھوس معاشرت، عسکریت اور سیاسی اعتبار سے کوئی فیصلہ کن اور قابل امتیاز عنصر ہے تو وہ صرف مسلمان ہیں، ان کی زندگی اس سمندر کی سی ہے جو آگ میں جلنے کے بعد اپنی خاکستر سے پیدا ہو جاتا ہے۔

بڑھے چلو۔ اب قوم کے تعمیری نظام العمل پر توجہ دینے کا وقت آ گیا ہے ضرورت ہے کہ ایک اصلاحی لائحہ عمل مرتب کیا جائے تاکہ مسلمان ہماری منزل پاکستان کی راہ پر بلے جھجک چل سکیں۔ آپ تمام کا فرض ہے کہ سر

جوڑ کے بیٹھیں۔ اور آپ کی کل ہند مسلم لیگ کی کونسل کا فریضہ ہے کہ وہ موزوں قطعی اور باضابطہ منصوبہ پیش کرے۔ میں صرف ایک بار پھر دہراتا ہوں کہ قوم کی تعلیمی اصلاح، معاشرتی تعمیر، معاشی ترقی، سیاسی استحکام اور ثقافتی اصلاح پر توجہ دی جائے، ہمیں ایک قوم کی طرح اس نظام العمل پر کاربند ہونا چاہیئے۔ مجھے توقع ہے کہ آپ اس قابل ہو جائیں گے۔ میں اس تمام عرصہ اور اس دوران میں صرف اس قدر کہتا رہوں گا۔

"منزل قریب ہے، متحد ہو جاؤ! ثابت قدمی سے آگے بڑھو! بڑھے چلو!!!"

(اجلاس کل ہند مسلم لیگ دہلی ــــــ ۱۹۴۳ء)

نئی بازی

ہاتھی کے دانت۔ مسٹر گاندھی کی رہائی کے بعد سے بیانات، اطلاعات اور اخباری تبصروں کا تانتا بندھ گیا میں نے حتی الوسع ان تمام کا غور و خوض سے مطالعہ کیا اور خصوصاً مسٹر راج گوپال اچاریہ کے فارمولے "ہندو مسلم مصالحت" پر زیادہ توجہ دی۔ اب میں اسی مسئلہ کچھ کہنا چاہتا ہوں ماضی کو دفن کر کے اسی نقطے سے چل کر ہمیں حالات کا جائزہ لینا ہے۔

۴۔ مئی کو مسٹر گاندھی نے جیل خانے سے جو خط میرے نام لکھا تھا وہ ۸۔ مئی ۱۹۴۴ء کو چھپ گیا۔ کیونکہ اخبار "ڈان" نے اس کی اشاعت کی خواہش کی تھی اور عوام کا منشاء بھی یہی تھا کہ اس خط کو روشنی میں لایا جائے۔ چنانچہ مسٹر گاندھی کی حسب ہدایت خط شائع کر دیا گیا۔ مسٹر گاندھی نے لکھا تھا۔ "میں نے ڈان کے صفحات پر مسلم لیگ کی روئداد کا مطالعہ کیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ آپ مجھے دعوتِ مراسلت دے رہے ہیں میں آپ کی دعوت کا خیر مقدم کرتا ہوں۔ لیکن میں تو باہمی بالمشافہ ملاقات کو مراسلت پر ترجیح دیتا ہوں، مگر میں تو آپ کے ہاتھوں میں ہوں۔ توقع ہے کہ یہ خط آپ تک پہنچ جائے گا اور اگر آپ کو میری تجویز سے اتفاق ہے تو حکومت آپ کو مجھ سے ملنے کی اجازت دیدے گی۔ ایک چیز جو مجھے

کھٹک رہی ہے وہ لفظ "اگر" ہے۔ کیا اس سے آپ کا منشا، یہ ہے کہ میں اسی وقت آپ کو خط لکھوں جب کہ میں نے اپنا دل بدل دیا ہو؟ دل کا حال تو خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ میں تو یہی بہتر سمجھتا ہوں کہ میں جیسا کچھ بھی ہوں آپ مجھے قبول کر لیں۔"

میں اس خط کا مطلب سمجھ گیا تھا، کیونکہ حکومت نے اسی زمانے میں مجھے اس کے مفہوم سے مطلع کر دیا تھا۔ اور میں نے اپنے ایک بیان میں یہ بھی بتا دیا تھا کہ یہ اس قسم کا خط نہیں ہے جس کی میں اپنی اس اپیل کے جواب میں مسٹر گاندھی سے توقع کر رہا تھا جو میں نے اپریل ۱۹۴۳ء میں مسلم لیگ کے خطبۂ صدارت کے دوران میں کی تھی۔ اب یہ چیز بالکل واضح ہو گئی، شک و شبہ کا کوئی شائبہ لگا نہ رہا کہ مسٹر گاندھی سمجھتے تھے کہ میری دعوت "اگر" سے مشروط تھی اور جسے ٹال دیا گیا۔ لیکن پھر بھی تمام کانگریسی اخباروں نے مجھ پر اپنے قول سے پھر جانے کا الزام عائد کیا اور میری تقریر پر لعن طعن سب و شتم، غلط بیانی اور اسے مسخ کر دینے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

وہ "اگر" ابھی تک باقی ہے اور خط ہنوز مجھے عدم وصول ہے۔ مسٹر گاندھی بہت مصروف تھے اور قصر آغا خاں پونا سے ان کے اور وائسرائے کے درمیان مراسلت کا ایک طومار جاری تھا۔ رہائی کے بعد سے تو انھوں نے روزانہ بہت سے مشہور آدمیوں اور نمایاں شخصیتوں سے ملاقاتیں جاری رکھیں۔ اور وائسرائے نیز دیگر اصحاب سے مراسلت بھی کرتے رہے۔ مگر انھوں نے اس خط کی ایک نقل میرے پاس بھیجنی مناسب نہ سمجھی (البتہ اخباروں میں شائع کرانا مناسب سمجھا)

کذب وافترا۔ اب نیا باب شروع ہوتا ہے جب مسلم لیگ کو بالکل نظر انداز کر کے اور اسے پس پشت ڈال کر لارڈ لنلتھگو سے گفت وشنید کے لئے رابطہ پیدا کرنے کی تمام کوششیں ناکام رہیں تو انھوں نے اپنے شفیق دوست لارڈ ویول کی خدمت میں باریاب ہونے کا موقع نکال ہی لیا ویول کو اپنے برطانیہ دوست اور حکومتِ برطانیہ کا فرمانبردار بیٹا ہونے کا جُل دے کر خواہش کی انھیں جیل خانے میں اپنی مجلس عاملہ کے اراکین سے ملنے کی اجازت دیدی جائے یا پھر انھیں رہا کر دیا جائے۔ اس خصوص میں گاندھی نے کہا تھا "میں ایک آزاد شخص کی طرح آپ سے استدعا کرتا ہوں کہ فیصلہ کرنے سے قبل مجھ سے ملنے کے لئے رضامند ہو جائیں۔ تو آپ جہاں چاہیں بخوشی حاضر ہو جاؤں گا" وائسرائے نے اس درخواست کو اپنے ۲۲۔ جون کے خط سے مسترد کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ وائسرائے کے انکار سے پونا میں افسردگی پھیل گئی۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ مسٹر گاندھی نے انگریزی اخبار نویس مسٹر گلڈر کی وساطت سے وائسرائے سے ملاقات کی جو کوشش کی تھی، وہ بھی اکارت گئی اس نفسیاتی موقع پر مسٹر راجگوپال اچاریہ پونا میں موجود تھے۔ انھوں نے ایک دوسرے دلال اور درمیانی آدمی کی حیثیت سے مجھے ۳۰۔ نومبر کو ایک شکایتی تار بھیجا کہ ان کے ۱۸۔ اپریل کے خط کا جواب عدم وصول ہے۔ حالانکہ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ اس کا جواب دینے کی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ اس کا جواب انھیں پہلے دیا جا چکا تھا۔ لیکن اس تار سے وہ مجھے دھمکی دینا چاہتے تھے کہ میرے انکار کے ساتھ اپنا فارمولا اخبارات میں شائع کرنا چاہتے ہیں۔ انھوں نے

بھی لکھا تھا کہ تار مسٹر گاندھی کی اجازت سے بھیجا گیا تھا، اور ساتھ ہی مجھے اپنے افکار پر ایک بار پھر نظر ثانی کی تنبیہ دی گئی تھی۔ میں نے اپنے جواب میں بتایا کہ ان کا یہ کہنا کہ میں نے فارمولا مسترد کر دیا، بالکل غلط ہے۔ اور میں خوش ہوں کہ وہ اس کی تردید نہیں کر سکے اور انھیں ماننا ہی پڑا۔ لیکن پھر یکایک خط و کتابت اخبارات کو بھیجدی گئی۔ تاکہ میں دنیا، ہندوستان اور بالخصوص مسلمانوں کی رائے عامہ کے سامنے جواب دہی کے لئے پیش ہوں، یکایک عمل ہو گیا۔ کانگریسی اخباروں نے مختلف قسم کے اہم مقدمات مجھ پر قائم کر دیے۔ ان نام نہاد ذمہ دار اخبارات نے جو کچھ لکھا اس کی چند مثالیں پیش کرتا ہوں:-

"ایسے شخص کا غیر ذمہ دارانہ اور نامعقول جواب جو اپنی قوم کی ترجمانی اور نمائندگی کا دعویٰ کرتا ہے۔ اپنی قوم اور پورے ملک کے ساتھ صریح غداری کے مترادف ہے۔ اب یہ مسلم طبقہ کا فریضہ ہے کہ وہ اس پیشکش کے معائب اور محاسن کی جانچ کر کے ایسے لیڈر یا لیڈروں کو پیش کریں جو اس کھیل کو اچھی طرح کھیل سکیں۔" الزامات اس طرح لگائے گئے تھے۔ "انانیت اور تکبر سے سرشار" "غیر مصالحانہ روش" "آزادیٔ ہند کا روڑا" اس پر بھی زور دیا گیا تھا کہ مسلمان مسٹر جناح کو علیحدہ کر دیں وغیرہ۔ حیرت تو یہی ہے کہ ایسے موقع اتصال پر بھی مسٹر گاندھی نے لیگ کے دشمنوں کے ذریعہ ملک کے اندر اور ملک کے باہر دونوں جگہ اس مذموم پروپیگنڈے کی ہمت افزائی کی کہ حکومت برطانیہ اپنے خبیثانہ مقاصد کی تکمیل کے لئے "مسٹر جناح" سے "اڑنگا" کا کام لے رہی ہے اور

پھر انھوں نے بڑے شد و مد سے کہا "ہندوستان کی تمناؤں کا گلا گھونٹنے والی اس گھناؤنی سازش کو تباہ کر دینا چاہیے۔"

یہ ہے اس نام نہاد ہندو مسلم مصالحتی گفت و شنید کا پس منظر، جو مسٹر گاندھی کی رضامندی سے راج گوپال اچاریہ نے شروع کی تھی۔ مختلف اور متضاد بیانات کے اس انبار سے صرف ایک بنیادی نکتہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مجھ پر اب مقدمہ دائر ہو گیا۔ اور مجھے اپنی صفائی پیش کرنی ہو گی۔

اس طرح یہ نجی گفت و شنید ختم ہو جاتی ہے۔ میرا گناہ صرف اسی قدر ہے کہ میں نے راج گوپال اچاریہ سے ان کی تجاویز کو اپنی عاملہ کے سامنے پیش کرنے کی اجازت چاہی تھی۔ اور یہ بھی یقین دلایا تھا کہ اب چونکہ مسٹر گاندھی جیل میں نہیں ہیں، اس لئے وہ جو بھی تجویز سوچیں براہِ راست مجھے مطلع کریں اور میں اسے مجلس عاملہ کے سامنے پیش کروں گا۔ آخر اس میں کیا اعتراض تھا؟ میں مسٹر گاندھی اور مسٹر راج گوپال اچاریہ کی طرز کو سراہنے میں ناکام رہا۔ اور میں اس خصوص میں مسلم لیگ کے فیصلے کا ساتھ دینا اور ہندوستان کے ہر آزاد اور غیر جانبدار شخص کے فیصلے سے اتفاق کرنے کے لئے تیار ہوں۔

راجہ جی فارمولا۔ یہ ہے وہ طریقہ کار جو اختیار کیا گیا۔ اب ہم فارمولے کی ساخت پر غور کریں۔ یہ تجاویز کھلے مباحث اور ترمیم کے لئے نہیں تھیں۔ ان کی بنیادیں تو صرف "ایک چیز قبول کرو یا چھوڑ دو" کارفرما تھی معلوم تو ہوتا ہے کہ کانگریس کا فلسفہ برطانوی سامراج سے بھی ایک قدم آگے ہے۔ کیونکہ کرپس تجاویز کو ملک معظم کی منظوری حاصل تھی

اور ملک معظم کی حکومت نے اپنی کابینہ کے ایک رکن کو مسلم لیگ اور کانگریس سے راست گفتگو کرنے کے لئے لندن بھیجا تھا۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ کرپس دو ہفتے سے زیادہ کانگریسی لیڈروں اور اس کی عاملہ کو مسلم لیگ اور کانگریس کے اٹھائے ہوئے مسائل کی تفہیم کراتا رہا۔ سچ ہے اس میں بھی سختی تھی کرپس تجاویز کی بنیاد میں بھی ترمیم کی گنجائش نہیں تھی، یہی تو اس کی ناکامی کا سبب تھا۔ لیکن مسٹر گاندھی اور گوپال اچاریہ تو برطانی حکومت کی بھی بات کر رہے ہیں۔ سادہ سی بات ہے لیکن مصالحت کی پرخلوص خواہش نہیں ہے بلکہ احکام نادرشاہی! پہلی چیز تو یہ کہ مسٹر راج گوپال اچاریہ کانگریس کے نکالے ہوئے ممبر ہیں، گاندھی کے دوران اسیری میں انھوں نے جس قدر انفرادی کوششیں کیں۔ ان سب پر گاندھی کی رضامندی حاصل کی گئی تھی لیکن اب جبکہ گاندھی رہا ہو گئے اور ایک آزاد انسان کی طرح زندہ ہیں تو پھر انھیں خود ہندو مسلم مفاہمت کا مسئلہ طے کرنا چاہیئے، کسی دلال کی ضرورت کیا ہے لیکن وہ بہت بیمار ہیں۔ حالیہ ملاقات میں ان سے جو بھی سوال کیا گیا تو انھوں نے راج گوپال اچاریہ کی طرف اشارہ کر دیا۔ اخباری نمائندوں نے تو کہا کہ قید کے زمانے میں جب گاندھی جی فاقے کر رہے تھے تو انھوں نے راجہ جی فارمولے کو منظور کر لیا تھا۔

اب سولہ مہینے ہو چکے ہیں پیشکش کے دیگر حصوں کے متعلق میرے اور راجہ جی کے درمیان معاہدے کی تکمیل ہو جانی چاہیئے۔ مسٹر اچاریہ کو پیشکش کے تمام اعتراضات کے لئے تیار رہنا ہوگا۔" ملال تو یہی ہے کہ انھوں نے اپنے مشہور خط مورخہ ۴ مئی ۱۹۴۳ء میں جو ہفتہ تک مجھے نہیں ملا،

اس طرف کوئی کوئی اشارہ نہیں کیا اور اب اس کا ایک نیا نام پیدا ہو گیا ہے۔ یہ "فارمولا" نہیں بلکہ "پیشکش" ہے۔

مگرمچھ کے آنسو۔ مسٹر گاندھی کہتے ہیں کہ انھوں نے پیشکش کی صرف توثیق کی ہے۔ لیکن راج گوپال اچاریہ کا بیان ہے کہ یہ "مشترک تصنیف" اور "فارمولا" ہے۔ سوال یہی پیدا ہوتا ہے کہ گاندھی جی کی شرکت اور امداد کا کس طرح فیصلہ کیا جائے جب کہ وہ چار آنے کے رکن بھی نہیں ہیں۔ لیکن ہاں، ان کے لئے تو بہت ساری گنجائش ہے ــــــ شخصی حیثیت، کانگریسی آمر کی حیثیت اور ان سب سے بلند و بالا مہاتمائی منصب ہے جس میں وہ اپنے ضمیر کی آواز پر کام کرتے ہیں۔ وہ اپنے ضمیر کے ایجنٹ اور ستیہ گرہی بھی ہیں، وہ ہندو نہیں ہیں، لیکن سناتنی ہیں اور اپنے ایجاد کردہ ہندو مت کے پیرو ہیں۔ یہ جاننا ذرا مشکل ہے کہ مسٹر گاندھی کس خاص موقع پر اپنی کس حیثیت و اختیار کو کام میں لائیں گے۔ میں امید کرتا ہوں کہ مسٹر گاندھی مسلم لیگ کے آئین و ضوابط کا مطالعہ کریں گے اور دستور کو سمجھ جائیں گے۔ اور انھیں اچھی طرح معلوم ہو جائے گا کہ ایک منظم اور جمہوری ادارے مسلم لیگ کے صدر کی حیثیت سے میرا کیا مقام ہے۔ کیونکہ مجھے یاد ہے کہ ستمبر ۱۹۳۹ء میں آغاز جنگ کے بعد لارڈ لنلتھگو کے پاس پہنچے اور ویسٹ منسٹر ایوان ہائے پارلیمان پر بم باری اور ان کی تباہی کے تصور سے بے اختیار رو پڑے تھے۔ ان کی آنکھوں سے سیل اشک جاری تھا، اس موقع پر انھوں کہا تھا "اگر انگلستان اور فرانس تباہ ہو گئے تو ہندوستانی آزادی سے کیا فائدہ؟" ایک بیان میں

ہیں، اور سارے ہندوستان کی نمائندگی کا ڈھول پیٹتے ہیں۔ ایسے تلوّن مزاج انسان سے ہم کیونکر سمجھوتہ کر سکتے ہیں؟ وہ ایک چیستان ہے ایک معمہ ہے!

اسلام دشمنی۔ کانگریسی حلقے مسلمانوں اور مسلم لیگ کے خلاف جی بھر کے زہر اگلتے رہے۔ اس وقت دو باتیں پیش نظر تھیں۔ اور ان کے حصول کی خاطر وہ ہر اقدام کے لئے تیار تھے۔

پہلی بات مسلم لیگ کو نیچا دکھانا تھی، جبر و استبداد کے سارے تجربے ختم کر لئے گئے۔ ذلیل و خوار کرنے میں انھوں نے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ دوسرا مقصد مسلم لیگ کی تنسیخ اور اس سے نظر اندازی تھا۔ اس کے لئے تو انھوں نے اپنے اصولوں کو بھی خیرباد کہہ دیا۔

ہر سال اپنے مقاصد کا اعلان و اظہار کرنے والے صرف مقبوضاتی درجے کے مدعی نہیں۔ بلکہ ہندوستان چھوڑ دو کے نعرہ باز اور مکمل آزادی کے سورما ہراساں و پریشان، مایوس و مضطرب، ناکام تمناؤں کی شکست سے چور چور گھبرائے ہوئے اس توقع پر شملہ پہنچے تھے کہ انھیں لارڈ ویول کے داہنے بازو جگہ مل جائے گی۔

پہلے تو انھوں نے مسلم لیگ پر رعب جمانے کی کوشش کی۔ اور پھر لارڈ ویول کی خوشامد کرنے لگے کہ وہ مسلم لیگ کو نظر انداز کر دیں لیکن ان کی غیر دانشمندانہ حکمتِ عملی ناکام رہی۔

اب انھوں نے لارڈ ویول پر عہد شکنی کا الزام لگایا۔ وہ کہتے ہیں کہ لارڈ ویول نے انھیں یقین دلایا تھا کہ اگر مسلم لیگ نے خود رائی کی تو وہ

اسے نظر انداز کر دیں گے۔ مجھے یقین نہیں آتا کہ انھوں نے ایسی کوئی ضمانت دی ہو گی۔ اور اگر وہ چاہتے بھی تو ہرگز ایسا نہیں کر سکتے تھے۔

وائسرائے کی نشری تقریر اور وزیر ہند کے جاری کردہ قرطاس ابیض سے تو یہ ظاہر ہے کہ ہندوستان میں دو بڑی جماعتیں ہیں۔ چنانچہ مجھے اور مسٹر گاندھی کو دو اہم جماعتوں کے مسلمہ قائدین کی حیثیت سے مدعو کیا گیا ـــــ برطانوی انھیں جماعتیں کہتے ہیں۔ حالانکہ یہ دو قومیں ہیں۔ بے شک دیگر اقلیتیں بھی تھیں، جیسے اینگلو انڈین، عیسائی، پارسی جن کے مفادات کا تحفظ ضروری تھا۔

بہر حال مسلمانوں کا معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے۔ ہندوستان کے مغربی اور مشرقی منطقوں میں ان کی ٹھوس اکثریت ہے جہاں پاکستان کا قیام عمل میں آئے گا۔

میکاڈو اور ہٹلر۔ کانگریس ہندو راج کے خواب دیکھ رہی تھی۔ کانگریس کی یہ توقع بالکل عبث ہے کہ جوں ہی برطانوی اقتدار اٹھ جائیگا مسلمان ہندوؤں کے ہاتھ لگ جائیں گے۔

اب شملہ کانفرنس کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہئیے کہ مسلم لیگ نے ۱۹۴۰ء سے ہز مجسٹی کی حکومت کے لئے اپنا دستِ تعاون دراز رکھا ہے۔ وہ کہتی رہی کہ جنگ کو کامیابی سے جاری رکھا جائے مسلم لیگ کسی حملہ آور کو پسند نہیں کرتی، خواہ وہ میکاڈو ہو یا ہٹلر!

اب جبکہ یورپ کی جنگ ختم ہونے کو ہے، ہندوستان میں کسی عارضی حکومت سے متعلق گفت و شنید کا سلسلہ بے سود ہے۔ برطانی

قومیتوں کا مجموعہ مرکب ہے، اس کے صرف دو بڑے اجزا، اہم عنصر اور بڑی جماعتیں ہیں، ہندو اور مسلمان! ان حالات میں تو ہندوستان کے وفاقی دستور اور مرکزی حکومت کا مقصد صرف غالب اکثریت کا اقتدار ہوگا۔ اور آپ جانتے ہیں کہ غالب اکثریت ہندوؤں کی رہے گی۔ اس طرح مسلمان آئینی طور پر خود بخود باج گزار، محکوم اور ماتحت بن جائیں گے۔ ہندو زنجیریں انھیں اپنے اندر جکڑ لیں گی۔ اور ہم کبھی یہ نہیں چاہتے کہ مسلمان خود اپنے ہاتھوں اپنی دائمی غلامی کے دستاویز پر مہر کر دیں۔ ہم اپنی قوم کے لیے ایک با اقتدار مملکت چاہتے ہیں، کامل مقتدر حکومت، جہاں فضائیں ہم پر تنگ نہ ہوں۔ عقابی بچے فضاؤں میں اپنے بازو پوری طرح پھیلا کر پرواز کر سکیں۔ بس ایک تازہ جہان!!

تقسیم کر دو۔ میں نے اس سے پہلے بارہا ہندو مسلم مصالحت کی کوشش کی۔ دونوں کو ایک مشترکہ پلیٹ فارم پر کھڑا کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ بالآخر ۱۹۱۶ء میں لکھنؤ میثاق طے پایا۔ اس کے بعد لکھنؤ اور بمبئی میں کانگریس اور لیگ کے مشترک جلسے ہوئے۔ لیکن آہستہ آہستہ کانگریس کے رگ و ریشہ میں ہندومت گھومنے لگا۔ دماغ کے سارے خانے تعصب اور گھناؤنے مقاصد سے پر ہو گئے، نتیجہ ظاہر، ایک خلیج حائل ہو گئی، یہی وجہ ہے کہ اب مسلمان فریب کھانا نہیں چاہتا۔ وہ کسی سمجھوتے اور کسی شرط پر بھی کانگریس کا ہاتھ تھامنے تیار نہیں ہے اگر کانگریس اور کسی قسم کا سودا کرنا چاہتی ہے تو یہ بھی ایک فریب ہے۔ مسلم صوبے ہندوستانی وفاق پر رضامند نہیں ہیں۔ اندرونی معاملات

ہیں انھیں کتنی ہی آزادی دیدی جائے پھر بھی وفاق میں ہندوؤں کی غالب اکثریت رہے گی۔ جیسے آج کانگریس میں ہے۔ میں کامل وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ایسا ہی مقام پر دونوں قوموں کے درمیان مساوی تقسیم ناممکن خصوصاً جب کہ ایک قوم تین چوتھائی کی زبردست اکثریت ہے۔ یہ ایک غیر فطری اور غیر حقیقی بات ہے۔ کیونکہ زندگی کی ہر منزل پر ہم دونوں میں اختلاف پیدا ہوں گے، اور ہمیشہ برطانی سنگینوں کو ہمارے درمیان حائل ہونا پڑے گا۔ ہمارا مطالبہ نہایت منصفانہ اور سادہ ہے ہم تو صرف ¼ چاہتے ہیں اور ¾ کانگریس کو دے رہے ہیں، پس تقسیم ہی بہترین حل ہے۔

تقسیم کے بعد۔ ہندوستان کو شمال مغربی اور شمال مشرقی منطقوں میں تقسیم کے بعد پیش آنے والے موانعات اور وسائل آمد ورفت کی دشواریوں کے بارے میں صرف اسی قدر کہنا کافی ہے کہ انگریز انگلستان سے نکل کر دولت عامہ برطانیہ کے دوسرے حصّوں میں جاتے ہیں تو انھیں کئی غیر ملکوں کے علاقوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ مثال کے طور پر نہر سوئز ہی کو لیجئے۔ یہ ساری باتیں باہمی سمجھوتے سے طے ہو سکتی ہیں۔ آج ہم شمال مشرقی مسلم علاقوں سے شمال مغربی مسلم علاقوں کو بآسانی سفر کر سکتے ہیں اور ہمیں ہندوؤں کے علاقوں سے گزرنا پڑتا ہے لیکن کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔ یہی حال پاکستان اور ہندوستان کے قیام کے بعد بھی کیوں نہ برقرار رہے؟ ہندوؤں کو ایک ایسی ریاست کی راہ میں روڑا ڈالنے کی اجازت نہ ہونی چاہیئے جو ان کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم رکھنا

چاہتی ہے۔

تین راستے۔ مسلم اقلیتوں کے بارے میں اس قدر کہا جا سکتا ہے کہ مدراس بمبئی وغیرہ جیسے ہندو اکثریت کے علاقوں میں وہاں کی اقلیتوں کے لئے تین راستے کھلے ہوں گے۔

اولاً یہ کہ وہ جس ریاست میں ہوں وہیں کی شہریت اختیار کر لیں۔ اور ہنسی خوشی زندہ رہیں۔ دوسرے یہ کہ وہ ان ریاستوں میں اغیار کی حیثیت سے بھی زندہ رہ سکتے ہیں، یا پھر تیسری صورت یہ ہو گی کہ وہ پاکستان چلے آئیں۔ میں انھیں خوش آمدید کہوں گا، ہمارے علاقے میں ان کے لئے کافی جگہ ہو گی لیکن یہ بالکل ان کی مرضی پر منحصر ہو گا، وہ جو راستہ مناسب سمجھیں اختیار کر لیں

آسام کے بارے میں صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ آسام کا جغرافیائی محل وقوع ایسا ہے کہ اس کو پاکستان کے سوا کسی اور مملکت میں شریک ہی نہیں کیا جا سکتا۔

معاشی موقف۔ بارہا پاکستان کے معاشی موقف پر حملے کئے گئے۔ کانگریس نے کہا کہ یہ تجویز معاشی اعتبار سے ناممکن العمل ہے۔ لیکن یہ صرف حقائق سے گریز اور تعصب کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ پاکستان ایک بہت ہی مستحکم اور استوار معاشی مملکت ہو گی جب معاشی وسائل کی تشریح کی گئی اور بتایا گیا کہ اب مرکز میں ان صوبوں کی مال گزاری چلی جاتی ہے۔ اس لئے یہ بظاہر دیوالیہ اور قلاش معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن جب مرکز ہی کا وجود نہ ہو گا تو صوبوں کی دولت صوبوں ہی میں رہے گی۔ یہاں تک تو کانگریسی ماہرین نے بھی مان لیا۔ لیکن جب انھوں نے پوری طرح پاکستان کے معاشی وسائل کی

تحقیقات کی تو انھیں یہ جان کر سخت صدمہ ہوا کہ یہ معاشی اعتبار سے بھی مستحکم اور قابل عمل ہے۔ پاکستان میں ہماری معاشی ترقی کے زبردست اور غیر معمولی ذرائع ہیں۔ یہ نظریہ کہ پاکستان معاشی لحاظ سے ناقابلِ عمل ہے، بالکل غلط ہے!

ہا ہا۔ سرحد کے انتخابات کے بارے میں قائداعظم نے فرمایا کہ وہاں آزاد انتخابات نہیں ہوئے۔ کیسے شرمناک واقعات مجھ تک پہنچے ہیں اور عنقریب میں ان کی تحقیقات کروں گا۔ لیگ کی سرحد میں ناکامی کی وجہ عوام کی جہالت بھی ہے۔

جب بی، بی، سی کے نمائندے ڈانلڈ ڈورڈلس نے کانگریسی مسلمانوں کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: "ہر قوم میں غدار ہوتے ہیں، آپ کی قوم میں بھی تو "ہا ہا" ہیں۔"

(پارلیمانی وفد سے ملاقات کے بعد صحافتی بیان بی، بی، سی ــــ ۱۹۴۶ء)